ناز و نیاز
حزیں کاشمیری

نازو نیاز

حزیں کاشمیری

سنگِ میل پبلی کیشنز
چوک اُردو بازار — لاہور

طبع جنوری ۱۹۷۸ء
تعداد ایک ہزار
مطبع رحمان پرنٹنگ پریس لاہور
طابع نیاز احمد
قیمت ۲۱ روپے
گردپوش تابس
کتابت اصغر حسین

سنگِ میل پبلیکیشنز
لاہور

اب پست و بلند ایک ہیں جوں نقشِ قدم یاں
پامال ہوا خوب تو ہموار ہوا میں

— میر تقی میر —

اِنتساب

میں نے ایک خواب دیکھا کہ دفعتاً سُورج بجھ گیا، دِل پر ہیبت طاری ہُوئی اور آنکھ کُھل گئی۔ کچھ عرصہ بعد والد گرامی اِنتقال کر گئے تو ایک عزیز نے مجھ سے کہا کہ تمہارے خواب کی تعبیر مجھے معلوم تھی مگر مصلحتاً اِس کا ذکر کرنا مُناسب نہ سمجھا۔ میں نے اِستفسار کیا تو کہنے لگے کہ اللہ جلّ جلالہٗ نے قُرآنِ پاک میں حضرت یُوسُف علیہ السّلام کے قصّہ میں والدین کو سُورج اور چاند سے تعبیر کیا ہے، لہٰذا جب تُم نے سُورج کو بُجھتے دیکھا تو قدرت کی طرف سے صریحاً یہ اشارہ تھا کہ عنقریب یہ ہستی تم سے چھین لی جائے گی۔ اِتّفاق دیکھیے کہ میرے والد کا نام بھی "شمس" تھا۔

افسوس! محبّت کا یہ سرچشمہ اور شفقت و اخلاص کی یہ سلسبیل ہمیشہ کے لیے مجھ پر بند کر دی گئی لیکن خالقِ حقیقی کی یہی رضا تھی جس کے آگے بہ ہزار منّت و عاجزی سرِ تسلیم خم ہے۔

اِس سے قبل ان کی زندگی میں ایک کتاب "محبّت" اُن سے منسوب کر چکا ہُوں اب یہ نئی کتاب "ناز و نیاز" عقیدت اور اخلاص بھرے دِل کی گہرائیوں سے ان کی رُوح سے منسوب کرتا ہُوں۔ مجھے یقین ہے کہ جنّت الفردوس میں وہ اسے خوشی کے آنسوؤں سے قبول کریں گے۔ خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را۔

بے ہنر
حزیںؔ کاشمیری

فہرست

غزلیات

سہرا

قطعۂ تاریخِ وفات

حرفے چند

شاعرِ نغز گو حزیںؔ کاشمیری "محبت" کے بعد ارمغانِ شعر "نازونیاز" ہمیں دے رہا ہے۔ یہ مجموعہ بظاہر مختصر مگر بقیمت خوش تر۔

اِس میں حمد بھی ہے اور نعت بھی کہ اہلِ ایمان کے لیے سرمایۂ دین و دُنیا ہے اور کچھ سہرے ہیں جن میں نایاب موتی پروئے گئے ہیں مگر مجموعہ دراصل غزلیات پر مشتمل ہے۔ اس لحاظ سے اسے حزیںؔ کاشمیری کا سفینۂ غزل کہیے یا بیاضِ غمِ دل۔

سچ کہوں تو اِس مجموعے کی اکثر غزلیات کو دیکھ کر مجھے گمان گزرا کہ یہ کسی پختہ کار اُستاد کی ہیں۔ اس میں تعجب کے کئی پہلو تھے جب کوئی کتاب دوست کاروبارِ کتاب کے اندر رسم و راہِ عاشقی تک آ پہنچے تو آغاز میں یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ لیکن جب ایک نہیں دو دو مجموعے مرتب ہو کر مثلِ شاہدِ گل بازار میں آ جائیں تو صدقِ دل سے ایمان لانا ہی پڑتا ہے۔

حزیںؔ کاشمیری شعر کی روایت سے اچھی طرح باخبر ہے۔ یاسؔ یگانہ، دردؔ اور اقبالؔ سے اسے عقیدت ہے اور ایسا نظر آتا ہے کہ اس نے اُردو کے بڑے بڑے اساتذہ کا کلام بڑے غور سے پڑھا ہے اِسی لیے اس کی غزل میں خاص پختگی موجود ہے۔ غزل کہنے کا ڈھنگ اسے آتا ہے عمدہ اسالیب پر قدرت حاصل ہے اور غزل کی زبان پر عبور۔

حزیں کی غزل میں معصومیت اور خلوص موجود ہے جو اس کی شخصیت کا پرتو لیے ہوئے ہے اور ایک خاص بات یہ ہے کہ وہ اُس کھوکھلی رسم سے بچ کر چلا ہے جسے میں مصنوعی درد اور دکھاوے کی انسان دوستی کہا کرتا ہوں جسے آج کل بطور فیشن ہر شخص اپنے کلام میں داخل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ نظری لحاظ سے تو یہ سب ٹھیک ہے لیکن یہ نمود و نمائش عملی لحاظ سے بالکل اوپری اوپری معلوم ہوتی ہے۔ جسے فرد کے دُکھ کی خبر نہ ہو وہ دُنیا جہان کے غموں کو کیا سمجھے گا البتّہ کتابی مسئلے کے طور پر ٹھیک ہے۔

حزیں کاشمیری نے ٹھیک کیا ہے کہ اپنا دامن اس ریاکاری سے بچایا ہے۔ اس کے لیے اور بہت سے موقعے ہیں۔ شعر کی فضا میں دردِ دل کی باتیں ہی سجتی ہیں اور حزیں نے انہیں سے طاقِ بُتاں کو آراستہ کیا ہے۔

مجھے یقین ہے حزیں ابھی بہت کچھ لکھیں گے۔ شوق زندہ ہے حوصلہ جوان ہے اور درد کی دُنیا نہ ختم ہونے والا تجربہ ہے۔ اگلے مرحلۂ سفر میں "ناز و نیاز" نہ سہی اُن حقیقتوں کے راز بیان ہو سکتے ہیں جو عُمر کے ساتھ کِھلتے اور کُھلتے ہیں۔ قلب کی اقلیم بے کراں ہے، اُس کی ابتدا تو ہوتی ہے اِنتہا کی خبر کسی کو نہیں۔

ڈاکٹر سیّد عبدُاللہ

مقدّمہ

اثرِ خامہ جناب ڈاکٹر ناظر حسن زیدی

◎

کسی فارسی اُستاد کا یہ مصرع — نقاش نقشِ ثانی بہتر کشد زِ اوّل —
اِس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ فن کار اگر کاوش کرتا رہے تو اس کا فن عظیم تر ہوتا
رہتا ہے۔ اچھے استادوں کے کلام سے اِس حقیقت کا ثبوت مِلتا ہے۔ حزیںؔ
کاشمیری کے اِس دوسرے مجموعۂ کلام نازونیاز سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہدِ شعرو
سخن کی آرائش کا شوق انھیں ہر وقت لفظ و معنی کی تزئین پر مائل رکھتا ہے
اور وہ اِس سلسلے میں کبھی آرائشِ جمال سے فارغ ہونا نہیں چاہتے۔ میں نے
ان کا زورِ طبع مسلسل نظموں میں دیکھا ہے اب اُس کے بعد غزلوں کے اِس مجموعے
نے اُن کے فن کو اور نمایاں کر دیا —— وہی صنفِ سخن جس کے متعلق مرزا غالبؔ
کو شکایت تھی کہ اُس کی تنگنائے بقدرِ شوق نہیں ہے۔ غزل کا دامن تنگ سہی
لیکن اس صنف کا تنوعِ بیان یہ گنجائش ضرور رکھتا ہے کہ لحظہ بلحظہ بدلنے والی
کیفیتوں کی ترجمانی کر سکے اور اشعار کی محدود تعداد میں مختلف اور متعدد مضامین
کو سمو سکے۔ حزیںؔ نے اس سہولت سے فائدہ اٹھایا ہے اور غزلوں میں اُن
متنوع جذبات و تجربات کو بیان کر دیا ہے جن کی تشریح کرنے کے لئے نظموں کا ظرف

بھی بسا اوقات تنگ ہو جاتا ہے۔

جناب حزیں کو فنِ شعر کے اکتساب میں بعض سہولتیں ملی ہیں اور انھوں نے ان سے خوب فائدہ اٹھایا ہے۔ اردو اور فارسی اساتذہ کے کلام کا مطالعہ انھوں نے بہ نظرِ غائر کیا لیکن اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ انھوں نے بعض استادوں کی آنکھیں دیکھی ہیں اور براہِ راست اُن سے اتنا مشورہ کیا ہے کہ اب انھیں "راہِ سخن میں خوفِ گمراہی نہیں" انھیں حسرت موہانی جیسے رنگین سخن سے مُلاقات کے مواقع ملے۔ جوش ملیح آبادی کی مصاحبت سے فیض یاب ہیں۔

جناب شتر جالندھری سے (جنھیں مرحوم کہتے ہوئے دِل خون ہوتا ہے) انھیں زندگی بھر تلمّذ کی سہولت دستیاب ہوئی وہ لاہور کی اس فضا میں پلے بڑھے جہاں علامہ اقبال اور ظفر علیخاں جیسے خوشنوا زمزمہ پردازی کرتے رہے ان تمام عوامل کا اثر ان کے کلام پر نمایاں ہے۔ ان کی غزلوں میں کہیں میر اور درد کی سی سادگی و سلاست ہے تو کہیں اقبال اور غالب کا سا فکر کہیں مومن و حسرت کی سی رنگینی اور معاملہ بندی ہے تو کہیں یاس یگانہ کے سے تیور۔ ان سب عناصر کی آمیزش سے اُن کی غزل گلہائے رنگ رنگ کا گلدستہ بن گئی ہے چند اشعار سے یہ انداز واضح ہو جائے گا

بیخودی بھی چھائی تھی مست تھیں فضائیں بھی
اک حسین منزل میں قافلہ لُٹا دل کا!

حُسنِ فطرت کے اُفق پر پھر نکل آئے دھنک
مدھ بھری آنکھوں کا پھر جادو جگا کر دیکھیے

رُوبرو اُن کے لبِ اظہار کو جنبش نہ تھی
کچھ گھُر پلکوں سے کے حرفِ مدعا ہوتے گئے

مسلکِ عشق و محبت میں شکایت کفر ہے
لب پہ آ آ کر مرے شکوے دعا ہوتے گئے

تھا منزلِ نکہت کو رواں قافلۂ گل
دیکھا تو خزاں کھینچ کے لے آئی کہیں اور

کھُلا ہے مجھ پہ بہ ایمائے حُسن و ذوقِ نظر
بس ایک راز کہ رازِ نہاں نہیں ملتا!

ہر برگ ہے لالہ زار در کف
مقتولِ ادا کا خوں بہا دیکھ

آبھی جاؤ کہ سِلیں جیبِ وفا کے پُرزے
دِل کے ہر چاک سے پھر سوزنِ مژگاں گزرے

کیجیے بات بھلا آپ پشیماں کیوں ہیں
نرم ہے طبع مری، دم ہیں پگھل جائے گی

اے راہروانِ راہِ وفا! طغیانِ بُکا بے سود نہیں
جو آنکھ سے آنسو گرتا ہے وہ زادِ سفر ہو جاتا ہے

منزل کو رواں دواں ہیں راہی
منزل بھی رواں ہے غائبانہ

باغ میں وہ کیا آئے ایک دِن گریباں چاک
غنچوں سے سرک آئیں تنگ سی قبائیں بھی!

وفورِ فصلِ گل میں بھی جنوں کا ہوش تھا ہمیں
مگر یہ کون لے اُڑا جو بچ رہی تھیں دھجیاں!

وہ اڑا کے زور سے لے چلیں مجھے دشتِ شوق کی آندھیاں
مری خاکِ مہر و وفا ٹھہر گئے پاسِ زادِ سفر کہاں

مذکورہ بالا اشعار میں رنگینی، دلآویزی، ناموسِ الفت اور وضعداریِ عشق کے کتنے پہلو موجود ہیں تاہم ان سب سے بالاتر وہ کیفیت بھی موجود ہے جسے بیخودی کہتے ہیں اس بیخودانہ سرمستی کے باوجود کہیں کہیں یاس و ناکامی کے سائے بھی اُن کے کلام پر پڑتے ہیں ممکن ہے یہ اُن کے تخلّص کا اثر ہو یا ممکن ہے یاس یگانہ چنگیزی سے اُن کی بڑھی ہوئی عقیدت کا فیضان ہو۔ ایسے مواقع پر اُن کے کلام میں کہیں کہیں فانیؔ کی سی مایوسی و ناکامی کا پرتو نظر آتا ہے تاہم حزیںؔ کاشمیری کی سخت کوش اور راضی بہ رضا طبیعت اِس میں تسلیم و رضا کا رنگ بھر دیتی ہے۔ یہ پُرلطف کیفیت بعض اشعار میں بہت دلکشی پیدا کر دیتی ہے

نہ چھیڑو حُسن لیے ہم نے بہت قِصّے بہاروں کے
گلستاں کا ہمیں معلوم ہے انجام رہنے دو

تیرہ بختی کا مری کوئی ٹھکانا ہے ندیم!
صبح تاریک ملے جب شبِ ہجراں گزرے

فضائیں زندگی کی ہیں اِسی کے نور سے روشن
فروزاں دل میں شمعِ حسرتِ ناکام رہنے دو

وُہ تنہائی کا دلدادہ ، وہ عُزلت کا تمنائی
حزیںؔ گمنام شاعر ہے اُسے گمنام رہنے دو

یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اِس مقطع میں اپنے آپ کو گمنام کہنا جناب حزیںؔ کاشمیری کی خاکساری ہے ورنہ وہ اَدبی محفلوں میں اب بخوبی معروف ہیں۔ انھوں نے غزلوں میں زندگی کے تجربات اِتنی صداقت سے بیان کیے ہیں کہ اُن کے بعض اشعار ضرب المثل بن جانے کے مستحق ہیں۔ زندگی کی آبجو جن جن سنگلاخ چٹانوں سے پھوٹ کر نکلتی اور جن سرسبز و شاداب مرغزاروں میں بہتی ہےَ ان سَب کی تصویر کاری موصوف نے بطریقِ احسن کی ہے۔ بعض جگہ انکی تحریر میں فریاد کی لَے پیدا ہو گئی ہے جو دِلدوز اور دلنشیں محسوس ہوتی ہے۔ اپنوں کی بیگانگی، دوستوں کی بے رُخی، بے ثباتیِ روزگار، نشیب و فرازِ حیات ـــــ اِن سب کے نقشے انھوں نے بڑی خوش اسلوبی سے کھینچے ہیں۔ ذیل کے اشعار میں انھوں نے آرائشِ لفظ و معنی کے علاوہ حقائقِ عالم کا احاطہ کیا ہے یہی وجہ ہے کہ اِس قسم کے اشعار بقولِ جناب غلام رسُول مہرؔ دل میں گھر کرتے اور ہمیشہ کیلئے حافظے پر نقش ہو جاتے ہیں۔

جن کو اخلاص کا دعوائے تھا انھیں کو ہم نے
آستینوں میں چھپائے ہوئے خنجر دیکھا

اللہ! کِس گناہ کی پاداش یہ ملی!
کیوں مجھ سے بارہا مرے احباب جل گئے

سچ ہے بقول دردؔ یہاں چل چلاؤ ہے
کچھ لوگ آج چل دیئے، کچھ لوگ کل گئے

تالیفِ قلب اب کہیں ممکن ہے اے ندیمؔ!
دِل پر کِسی کی بات ہے، آرے سے چل گئے

دوست کی جفاؤں میں نرمیاں گُلِ تر کی!
بن گئیں کبھی دل کو برچھیاں وفائیں بھی

لب سِل گئے ہیں رازِ حقیقت نہ پُوچھیے
اُس کی نظر ہے گردشِ ایام ہے کہاں!

گِلے کی پوچھتے ہو کیا کہ جی کی جی میں رہ گئی
کیا جو قصد بات کا دہن میں رُک گئی زُباں

جانِ حقیر، پُرسشِ احوال پر نثار
لَب پر ہنسی کی موج تھی اور غمگسار تھے

مذکورہ بالا اشعار میں کہیں کہیں گلہ مندی کی جھلک پیدا ہوگئی ہے با ایں ہمہ حزیں کے مزاج میں محبت، درگزر اور وضعداری کی جو صفات ہیں اور وہ جس سلیقہ سے زہرِ حیات کو قند بنا لیتے ہیں اُس کے طفیل وہ بعض دِل شکن آفاقی حقیقتوں کو کمال بے نیازی سے بیان کرنے کا طریقہ بھی جانتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اُن کے کلام میں بڑی دلفریب صلابت ہے اس صلابت نے اُنکی شاعری کو آتش لکھنوی کا سا مردانہ لہجہ بخشا ہے وہ آلامِ حیات سے گھبراتے نہیں۔ حسینوں کی بیوفائی، زمانے کی ناسازگاری اور غمِ روزگار —— اِن سب کا مداوا وہ اِس فقیرانہ بے نیازی سے کرتے ہیں جو اُنکی شاعری کو کج کلاہی کی شان عطا کرتی ہے۔ اُنکی طبعی وضعداری اُنکی گِلہ مندی کو قلندرانہ بے پروائی میں تبدیل کر دیتی ہے۔ بعض اشعار میں یہ درویشانہ استغنا دیدنی ہے ان کے جلال میں جمال اور حُسن میں فقیرانہ بانکپن شامل ہے

چھُوٹا نہ ہم سے رشتۂ آدابِ عاشقی
کوئے وفا میں جب بھی گئے سَر کے بل گئے

شوق کی راہ میں وارفتۂ رفتار رہے
ہم نے دِل سے نہ کبھی جھانک کے باہر دیکھا

دِل کو آدابِ جنوں کا ہر طریقہ یاد تھا
ہم ترے جور و جفا کا منتہا ہوتے گئے

اُس چمن میں نکہتِ گُل سے بھی گو نازک تھے ہم
قہر مانوں کے لیے برقِ بلا ہوتے گئے

رزم گاہِ شوق میں تسلیم کی ہم نے شکست
باوجود اِس کے مگر انداز رندانہ رہا

ہاتھ پھیلانا کسی کے سامنے؟ یہ کیا کہا؟
اپنی خُو رندانہ ٹھہری، طور مردانہ رہا

تجھ پہ قرباں جان ودِل ساقی تری صہبا کی خیر
عافیت کا اک ٹھکانا تیرا میخانہ رہا

سفرِ شوق میں ساتھی کی تمنا، بے سود!
رہ نوردانِ طلب! حالِ سکندر دیکھا؟

حسن والوں نے سکھائی ہم کو طرزِ دلبری
تمکنت میں، ناز میں، اُن کی ادا ہوتے گئے

خزاں کے دور میں کانٹے چمن کے یاد آئے
سخن کسی کا طبیعت پہ کارگر نہ ہُوا

محفل میں کائنات کی وہ چشم ہوں
عالم ہزار میری نگاہوں میں ڈھل گئے

اِسی استغنا نے انھیں آرزو سے، طلب سے، تمنا سے بے پروا کر دیا ہے اُن کی زندگی کا انداز بھی یہی ہے اور شاعری میں بھی بے نیازی جلوہ گر ہے وہ آرزوئیں جنھیں اہلِ دُنیا سینے سے لگا کر رکھتے ہیں۔ انھیں اہلِ دل

بڑی عالی حوصلگی سے رد کر دیتے ہیں۔ شاعر کا مزاج اُس کی شاعری میں منعکس ہونا فطری بات ہے اور حزیںؔ کے معاملے میں بھی یہی صورت ہے مجھے موصوف کی زندگی اور شاعری دونوں میں یہ پہلو نظر آتا ہے اور یہی خوبی اُنکی شاعری کو عظمت بخشتی ہے۔

مدعا بھی مِٹ جاتا، یہ تھا مُدعا دِل کا!
رہ گئے ہمیں مٹ کر، حوصلہ بڑھا دِل کا!

محبت کو ہے کیا پروا اِس آب و گِلِ زنداں کی
جو زندہ یوسفِ دل ہے تو زنداں اور بھی ہوں گے

سِینے سے لگالیا ترا غم
نظروں سے اُتر گیا زمانہ

رہ نوردِ شوق کو ذرّے بنے کہسار بھی
بحر بھی آئے نظر سمٹے ہوئے پایاب سے

سازِ فطرت کا اِس انداز سے چھیڑ اے مطرب!
آرزو زمزمہ پرداز نہ ہونے پائے!

اَب تک جو رقم ہُوا وہ دُوسرے شعرا کے ہاں بھی کم و بیش نظر آتا ہے لیکن جو چیز حزیںؔ کے کلام کو دوامی عظمت بخشے گی وہ اُن کا تفکّر و تخیّل ہے۔ رومیؔ اقبالؔ اور غالبؔ نے اِسی تفکّر و تخیّل کے سہارے نادیدہ عالم دیکھے اور اَن سُنی بلکہ ناشنیدنی صداؤں کو سُنا ہے۔ حزیںؔ کو دُنیائے آب و گل میں بہتر دنیاؤں کے خواب دکھائی دیتے اور ماورائے کائنات صدائیں سنائی دیتی ہیں بلاشبہ انھیں یہ مقامِ ارجمند حاصل ہے۔ ذیل کے اشعار سے اُن کی وسعتِ نگاہ اور گہرائی قلب و نظر کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

یہ کہہ رہی ہے مری جُستجو فغاں ہو کر
کہ بزمِ عالمِ امکاں ابھی جمی کم ہے

حدودِ فکر سے آگے ہے سلسلہ جس کا
وُہ بات ہم نفسو! دِل سے بھی کہی کم ہے

سوادِ منزلِ جاناں ہے یہ، نہیں منزل
دیارِ شوق ہے یہ، اِس میں روشنی کم ہے

راز داری جنوں کی فطرت ہے !
دِل بھی اِک راز ، رازداروں کا

جذبۂ شوق میں اِک زندہ جہاں ہے پنہاں.
چشمِ تخیّل سے پایا یہ اشارا اکثر

رہروِ رہِ اُلفت ، آپ اپنا رہبر ہے
آگہی کی صُورت میں راز آشنا دِل کا

شہود و غیب کے جہاں میں ڈھونڈنا مرا عبث
نفس نفس ہوا ہوں گُم قدم قدم مرا اِشل

نقشِ پا گُم ہیں ، نہ جادہ ہے نہ منزل کا نشاں
اِتنی بھی دِید بہت ہے ، تجھے دَم بھر دیکھا

ہوں گنہ گار مری پُشت پہ رکھو کُہسار!
مَیں ہی آدم ہوں مرے سر سے بیاباں گزرے

طلسمِ گردشِ صبح و مسا بھی ٹوٹ جائے گا
مرے حُسنِ طلب پر اُن کے احساں اور بھی ہوں گے

حریمِ ہر چند ہے جذب و تخیّل ہم عناں اپنا
طلب کی راہ میں دل کے نگہباں اور بھی ہوں گے

برق ہے برق سُنو ہمسفرانِ منزل
زندگی موت کے ہاتھوں سے نکل جائے گی!

نہ مری جہت، نہ مرا مکاں، مری منزلیں ہیں مرا قدم
مری جستجو کے افق پہ ہے یہ فریبِ شام و سحر کہاں

بھلا ہے یہ حُسنِ طلب مرا، یہ حریمِ جلوۂ ذات ہے؟
تری دین ہے یہ بجا سہی، یہ جہاں مرا ہے مگر کہاں

اس منزل پر پہنچ کر ہمیں علامہ اقبالؒ کا یہ شعر یاد آتا ہے

اے من از فیضِ تو پائندہ نشانِ تو کجا است
ایں دو عالم اثرِ ماست جہانِ تو کجا است

یہاں تک مَیں نے موصوف کی شاعری کے معنوی پہلوؤں کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے کلام کے دوسرے اوصاف بھی قابلِ توجہ ہیں اُن کی زبان بہت صاف ہے۔ شاید علامہ اقبالؒ کی خوشہ چینی اور حسرتؔ موہانی کی ہم نشینی سے انھوں نے یہ دولت حاصل کی ہے۔

ذیل کے اشعار میں زُبان کے حسن اور بانکپن کو دیکھئے اور داد دیجئے

غلط کہ دل کو طلب درد کی رہی کم ہے!
جہانِ حسن میں دیکھا تو دل رُبا ہی کم ہے!

بہت ہے اہلِ تمنّا کی پاسداری کو
مزاجِ یار میں ہر چند دوستی کم ہے

لالہ ساماں ہے مری آنکھ بہاروں سے کہو
سیرِ گلشن کو سواری مری کل جائے گی!

کب پا سکی نزاکتِ حسنِ بتاں کا راز
ہر چند نازکی مری طرزِ سخن میں تھی

اللہ اللہ یہ محبّت کی نظر تھی! کیا تھا!
ٹوٹ کر چند ستارے سرِ مژگاں گزرے

کوچۂ شوق میں تکتا ہے جو حسرت سے مجھے
چاکِ دِل ہمدم و ہمرازِ گریباں ہوگا

بھیگے موسم میں لبِ گُل ہے نواسنجِ بہار
جو خزاں بولی کہ خاموش تو پھر کیا ہوگا

حزیںؔ کا دریائے سخن بڑی فصاحت سے جاری ہے اور اُن کے مجموعۂ کلام کو دیکھ کر یہ توقع کی جاتی ہے کہ اُن کا پایۂ شاعری ابھی اور بلند ہوگا: بقولِ عرفی

زُباں زنکتہ فرو ماند و رازِ من باقی ست
بضاعتِ سخن آخر شد و سخن باقی ست

ڈاکٹر ناظر حسن زیدی

حمدِ باری

و

نعتِ سرورِ دوعالمؐ

حمدِ باری

ربِ جہانوں کا اے خُدا! تُو ہے
تُو ہے، خلّاق دوسرا تُو ہے

کون سمجھے گا اِبتدا تیری!
اِبتدا ہی میں اِنتہا تُو ہے

کون پائے گا اِنتہا تیری
اِنتہا کیا ہے؟ اِنتہا تُو ہے

جذبۂ ذوق و شوق میں پنہاں
فکر و ادراک میں چُھپا تُو ہے

تیری مانند کوئی شے ہی نہیں!
ہر گھڑی منقلب، نیا تُو ہے

پردۂ رازہائے باطن میں!
اپنے اِمکان کا پتا تُو ہے

جُملہ رعنائیوں کا سرچشمہ
حُسن و خُوبی کا مُبتدا تُو ہے

تُو گُلستاں کی ہر کلی سے عیاں!
چاند تاروں میں چُھپ گیا تُو ہے

مُرغِ بُستاں کی نغمگی میں تُو!
دشتِ خاموش میں صدا تُو ہے

جُنبشِ موجِ آب میں ظاہر!
ہاں! پسِ لرزشِ ہوا تُو ہے

ڈھا رہا ہے غضب، جلال ترا
قہرمانوں کو اِک بلا تُو ہے

اِک طرف قہر ہے، سراسر قہر!
اِک طرف رحم سے بھرا تُو ہے

تُو ہی رحمٰن ہے، رحیم تو ہی!
تُو خطا پوش، کبریا تُو ہے

حکم تیرا سمندروں پہ چلے
گردشِ چرخ کی بِنا تُو ہے

دل کی وادی میں ڈھونڈتا ہوں تجھے
دِل کی وادی سے ہو گیا تُو ہے

دیکھتا ہوں شجر شجر ہر چند
دید بازی کا حوصلا تُو ہے

لامکاں میں تری تلاش مجھے
میرے پہلو میں آبسا تُو ہے

تابِ نظّارہ تھی کہاں مُجھ کو!
بے خُودی پر مری ہنسا تُو ہے

کُھل گیا مُجھ پہ رازِ کُن فیکُوں
قُم کی آواز میں چُھپا تُو ہے

میں نے دیکھا ہے مُسکرا کے تجھے
برملا سامنے مِلا تُو ہے

ہاں! نہیں، مُجھ کو اِختیار، نہیں
باعث اِس میرے جبر کا تُو ہے

خیر و شر کی حقیقتوں سے کُھلا
فہمِ اِنساں سے ماورا تُو ہے

تُو ہے اُمّید نا اُمیدوں کی
بے سہاروں کا آسرا تُو ہے

بے نواؤں کو بھی نوا بخشی !!
سب کی سُنتا ہے، آشنا تُو ہے

اِک تشفّی دِلِ حزیں کو بھی
غم کے ماروں کا اے خُدا تُو ہے

نعتِ سرورِ دو عالم ﷺ

تم ہو تنویرِ منظر، شمعِ دل و جاں تم ہو
ہادیِ نوعِ بشر، فخرِ رسولاں تم ہو

کون ایثار و وفا میں ہے نمایاں؟ تم ہو!
ذرّے ذرّے پہ ہے جس نور کا احساں، تم ہو

دید کے گل کدے میں سیرِ چراغاں تم ہو
جلوۂ حسنِ ازل، روح کا ساماں تم ہو

مشعلِ علم تمہیں، نیّرِ دوراں تم ہو
از ازل تا بہ ابد زیست کا عنواں تم ہو

فخر بندہ کرے جس پر وہ تمہاری ہے ذات
جس پہ اللہ کرے ناز، وہ انساں تم ہو

"قابَ قوسین" کے آئینے میں اللہ! اللہ!
عینِ حق کو جو ہُوئے دیکھ کے خنداں، تم ہو

جن کی آمد پہ تھمی گردشِ افلاک، ہو تم
عرش پابوس ہوا جن کا، وہ مہماں تم ہو

بزمِ ہستی کے تمھیں، بس ہو تمھیں، صدر نشیں
حُسن ہے جن پہ تمام اے شہِ خُوباں تم ہو

دل سلاطیں کے دہل جائیں وہ آوازۂ حق
کُفر و باطل ہوں جنھیں دیکھ کے لرزاں تم ہو

اِس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں تمھیں ہو قندیل
ہاں تمھیں درد کے ماروں کے نگہباں تم ہو

جس سے منزل کا نشاں صاف ہویدا ہو جائے
شبِ تاریک میں وہ مشعلِ ایقاں تم ہو

رحمتیں جس کی زمانوں پہ برستی ہی رہیں
کون ہے قبلۂ حاجات وہ؟ ہاں! ہاں! تم ہو

کعبۂ دل میں اُفق تا بہ اُفق ہو رخشاں
نگہِ شوق میں خورشید بہ داماں تم ہو

کیا ہے انسان؟ کہاں تک ہے تگ و تازِ اسکی!
جس نے عُقدہ یہ کیا حل سَرِ دوراں، تم ہو

یہ رہی اپنی متاعِ دل و جاں، جانِ کرم!
ناز کا، حُسن کا، انداز کا پیکاں، تم ہو

فکر سے، عقل سے، ادراک سے بالا ہو مگر
بزمِ امکاں میں بہر رنگ نمایاں تم ہو

جس کے دامن میں سمٹ آئے جہانِ راحت
وہ تڑپ ہو، وہ تمنا ہو، وہ ارماں تم ہو

کرمِ خاص کا طالب ہے، قیامت میں حزیں
اُس کے مونس ہو تمھیں، درد کا درماں تم ہو

غزلیات

۳۱

حاصلِ عُمرِ رواں تھا کوئی
میرے دل ہی میں نہاں تھا کوئی

کس کی جانب تھا مرا رُوئے خیال؟
کس کی جانب نگراں تھا کوئی؟

آہ! صحرائے جنُوں میں ہر دم!
صُورتِ برق رواں تھا کوئی

تھے، ہمیں اپنی فغُاں کا حاصل
سچ یہ ہے، دل میں گمُاں تھا کوئی

نقشِ فردوس تھا، ہر نقش اُس کا
یُوں تو بے نام و نشاں تھا کوئی

پس ہر راز حقیقت اُس کی
سر ہر راز عیاں تھا کوئی

پُوچھیے دل کی حکایت ہم سے
عالمِ حشر نشاں تھا کوئی

ہم نے ، ہاں ! ہم نے شبِ غم کاٹی
ہم سے وابستۂ جاں تھا کوئی

ہم نے وہ راگ الاپا ، جس سے
دِل تپاں ، اشک فِشاں تھا کوئی

اُس کا مِلنا ، نہیں اُس کا مِلنا
نگہِ شوق ! کہاں تھا کوئی

اپنی آوارگیِ شوق نہ پُوچھ !
تُو بتا کُنجِ اماں تھا کوئی ؟

۳۲

آستاں پر ترے، اے جانِ ستم
کِس کے سجدے کا نِشاں تھا کوئی؟

اے حزیںؔ! مُلکِ معانی میں بھلا
تجھ سا آشفتہ بیاں تھا کوئی!

ہو گیا نذرِ خزاں باغِ وفا میرے بعد
ہاتھ مَلتا ہے مِرا لالہ قبا میرے بعد

پھر نہ پاؤ گے کہیں قلب و جگر میرا سا
یہ دکھاؤ گے کِسے ناز و اَدا میرے بعد

نغمہ بن جاتا تھا جو نالۂ جانکاہ مرا
رُو کشِ صُورِ سرافیل ہوا میرے بعد

تیرے دامن پہ رہیں خُونِ جگر کے چھینٹے
گُل کھلائے ترے ہاتھوں کی حنا میرے بعد

سخت جانی میں وہ یکتا، وہ بَلاکش ہوں میں
بھول جائیں گے جفا، اہلِ وفا میرے بعد

۳۵

سُخن آرائے محبّت ہُوں مری بات سُنو
نہ سُنوگے کہیں فطرت کی نوا میرے بعد

میرے ہی دَم سے کھِلیں دشت و جبل میں کلیاں
کچھ بنی بات تری بادِ صبا! میرے بعد

خُود نُما ایک ہے تُو، دیدیگانہ میری
کون دیکھے گا تجھے جلوہ نُما میرے بعد

اِک بگُولا سی بنی خاک مری مِٹتے ہی
اِک دُھوَاں سا بھی مری جان اُٹھا میرے بعد

سینہ چاکی پہ مری خاک اُڑائی گُل نے
چاک ہر غُنچے نے کی اپنی قبا میرے بعد

تہلکہ پڑگیا، دیوارِ عناصِر لرزی!
گوشے گوشے میں ہُوا حشر بپا میرے بعد

یک بیک آنکھ سے نکلیں گے آنسو اے دوست!
تم کو ہو گا جو کبھی پاس وفا میرے بعد

مشعلیں بزم کی روشن تھیں مرے ہی دم سے
تیرہ ہوتی نظر آتی ہے فضا میرے بعد

حسرتیں میری، تری آنکھ سے ہیں آئینہ
آئنہ دیکھ ذرا شوخ ادا! میرے بعد

اب نہ وہ قلقلِ مینا، نہ کھنک ساغر کی
اب نہ وہ کیفِ مئے ہوش رُبا میرے بعد

دشتِ اُلفت میں قسم آبلہ پائی کی مجھے
سر کے بل چل کے گرے آبلہ پا میرے بعد

سرِ ہر خارِ بیاباں ہُوا آغشتۂ خُوں
خُون تھوکا وہ گلوں نے بخدا میرے بعد

غُنچہ لب بستہ، فضا ساکت و انجُم خاموش
خامشی بڑھ کے ہُوئی نغمہ سرا میرے بعد

چیختی پھرتی ہے کہسار کی آوازِ حزیں!
سر پٹکتی ہے بیاباں کی ہوا میرے بعد

اُن میٹھی میٹھی نظروں کا جب دل پہ اثر ہو جاتا ہے
ہر زخمِ جگر فریاد و فغاں کا دستِ نگر ہو جاتا ہے

جب روتا ہُوں اے جانِ تمنّا! حال دِگر ہو جاتا ہے
اک قافلہ اشکوں، آہوں کا پابندِ سفر ہو جاتا ہے

سُنتا ہُوں چمن کا پتّا پتّا آہ بہ لب ہے وحشت میں
صحرا صحرا اُٹھتا ہے دُھواں، فق رنگِ سحر ہو جاتا ہے

انجامِ گُلستاں پُوچھو اگر دو حرف میں یُوں تکمیل کروں
بُلبُل ہوتی ہے شعلہ فشاں، گُل خاک بسر ہو جاتا ہے

جب تو اُس جانِ بہاراں کا پیغام لیے ہوتی ہے رواں
ہمراہ ترے نکہت کا جہاں اے بادِ سحر ہو جاتا ہے

دِل اُس پہ فِدا ہے ہر لمحہ، جاں اُس پہ تصدّق ہر لحظہ
ایک ایک اشارہ جس گُل کا پہلو میں شرر ہو جاتا ہے

جب دِل کی زبانی اے ہمدم رُودادِ محبّت سُنتا ہوں
فریاد و غم و حسرت کی زباں ہر زخمِ جگر ہو جاتا ہے

اے راہرَوانِ راہِ وفا! طغیانِ بُکا بے سُود نہیں
جو آنکھ سے آنسو گرتا ہے وہ زادِ سفر ہو جاتا ہے

وہ جانِ وفا ہے جو گرمِ جفا، اے حسرتِ دل نومید نہ ہو
کہتے ہیں بشر کا دُنیا میں غم خوار بشر ہو جاتا ہے

جب چُپکے چُپکے آتا ہے آغوشِ تصوّر میں کوئی!
اِک عالم باقی رہتا ہے، اِک زیر و زبر ہو جاتا ہے

تخئیل کی گہری وادی سے جب چاند مَعًا ہو ضَو افشاں
فطرت کے جہاں کا ہر ذرّہ خورشیدِ سحر ہو جاتا ہے

۴۰

آدابِ غمِ اُلفت کے حزیںؔ پُوچھے کوئی ہم دیوانوں سے
دِل اُن کا سِتم سہتے سہتے اُس کا خُوگر ہو جاتا ہے

گردشِ چرخ تھمی گُم ہوئی دُنیا اکثر
نگہِ شوق نے دیکھا یہ تماشا اکثر

حُسنِ فطرت کو بہ ہر رنگ جلادی جس نے
اُفقِ غم پہ وہ چمکا ہے ستارا اکثر

جذبۂ شوق میں اِک زندہ جہاں ہے پنہاں
چشمِ تخیّل سے پایا یہ اِشارا اکثر

اِتنا آداب محبّت کا ہمیں پاس رہا
جانتے بُوجھتے کھایا کیسے دھوکا اکثر

دل نے چومے ہیں مرے نقشِ قدم حیرت سے
رہ گیا ہُوں جو رہِ شوق میں تنہا اکثر

رمز کی بات، محبّت کا سلیقہ، یارو!
ناز و انداز میں اُس شوخ کے دیکھا اکثر

جب بھی طوفاں میں اُتارا ہے سفینہ میں نے
ہو گیا ساتھ رَواں میرے کنارا اکثر

کوئی چلتا ہے پتا دشتِ جُنوں کا اے دوست!
بحر قطرہ ہے تو ذرّہ ہمیں صحرا اکثر

مُسکراتی ہُوئی کلیوں کا تبسّم چھِن جائے
باغباں! صحنِ چمن میں یہی دیکھا اکثر

حُسن و خُوبی کی سمٹ آئی خُدائی ساری
یُوں مرے دل میں سمایا رُخِ زیبا اکثر

آخرِ شب جو ستارا سرِ مژگاں چمکا!
لے کے پیغام تری دید کا آیا اکثر

مُسکرایا ہُوں جو احوالِ زماں پر گاہے
مُسکرائی ہے مرے حال پہ دُنیا اکثر

درد بڑھ بڑھ کے دوائے غمِ فُرقت ہو جائے
لب پہ لایا یہ سُخن درد کا مارا اکثر

طُرفہ دریائے محبّت ہے، کوئی کیا جانے
ڈوبنے والوں کو ملتا ہے کنارا اکثر

ہم ہیں وہ مستِ الستِ اِس مئے الفت سے، ملا
رُوبرُو دوست کے گُفتار کا یارا اکثر

بن گیا خود ہی تماشا رہِ الفت میں حزیںؔ
دل کہ دیکھا ہے طلبگارِ تماشا اکثر

خزاں پہ ہنستے ہیں، ماتم ہے لالہ زاروں کا
عجیب شیوہ ہے فطرت کے رازداروں کا

دیارِ شوق میں ہیں آرزوؤں کے نغمے
کہ نوحہ گر کوئی مجمع ہے سوگواروں کا

نہ کیوں عزیز ہوں کانٹے بجائے نکہت و رنگ،
کہ سامنے ہے پھٹا پیرہن بہاروں کا

چمن میں بادِ صبا اب کے اس طرح گزری
کہیں نہ قافلہ دیکھا حسیں بہاروں کا

رُخِ حیات سے کس نے نقاب سرکا دی؟
یہ ماجرا تو نہیں تیرے غم گساروں کا!

بگولے اُڑتے ہوئے آئے خیر مقدم کو
کوئی ہوا جو رُموزآشنا مزاروں کا!

رہِ طلب میں بہت دُور تک پکار آئے
کسی نے بھی نہ سُنا قصّہ بے قراروں کا

نگاہِ شوق میں روشن جنُوں کے داغ ہوئے
شبِ سیہ میں ہے منظر کہاں ستاروں کا

حرم سے ہو کے خرابات میں جو آ نکلے
تو اہلِ دِل پہ کھُلا بھید مے گساروں کا

سوادِ منزلِ جاناں ہے دو قدم اُس کو
جو راہ میں نہ ہُوا آشنا سہاروں کا

وفورِ شوق نے پایا ہے آگہی کا سُراغ
کھُلا ہے رازِ کسی شوخ کے اشاروں کا

مرے جنُوں نے مجسّم کیا بہاروں کو
مرے جنُوں سے جما رنگ جوئباروں کا!

مرے ہی دم سے ہے تاروں میں روشنی کی نمُود
مرے ہی دم سے حسیں جلوہ کوہساروں کا

نفس نفس ہی رہی کاہشِ طلب دل کو
قدم قدم ہی پہ عالم تھا خارزاروں کا

یہ کس کے نقشِ قدم میں سمٹ گئی منزل
گلہ گزار ہے یہ کون رہگزاروں کا

دلِ حزیں سے اُٹھا جب ترانۂ شوق
یہ طرفہ راز ہے فطرت کے نغمہ زاروں کا

رہِ الفت میں اُڑے ہوش تو پھر کیا ہو گا
دل سا رہبر ہُوا کم کوش تو پھر کیا ہو گا

زخمِ دل، زخمِ جگر، اپنا مقدر ہی سہی
کچھ جو اُس گُل کا ہُوا دوش تو پھر کیا ہو گا

اب تو ہر سانس میں ہے چاپ ترے قدموں کی
چاپ یہ بھی ہوئی خاموش تو پھر کیا ہو گا

دلِ آگاہ میں ساقی یہ کھٹک کیسی ہے
آپ میں آئے نہ مے نوش تو پھر کیا ہو گا

نہ چھوئیں جام کو زاہد جو گھٹا قبلے سے
آ گئی میکدہ بر دوش تو پھر کیا ہو گا

بھیگے موسم میں لبِ گُل ہے نوا سنجِ بہار
جو خزاں بولی کہ خاموش! تو پھر کیا ہوگا

جادۂ دشتِ طلب میں دِلِ محزوں غم سے
نہ ہُوا ہائے سُبک دوش تو پھر کیا ہوگا

نغمہ زار اب تو خرابات بنا، نامِ خُدا
لبِ مینا ہُوئے خاموش تو پھر کیا ہوگا

نغمۂ بادِ بہاری کے لیے گُلشن میں
وا نہ کی غُنچے نے آغوش تو پھر کیا ہوگا

جاں بہ لب ہے جو ترے ہجر میں اے جانِ وفا!
لب ہلا کر ہُوا خاموش تو پھر کیا ہوگا

وہ جفاؤں میں اشاراتِ وفا اُس نے اگر
کر دیے آہ! فراموش تو پھر کیا ہوگا

عشق خود زہرِ ہلاہل ہے، نہیں قندِ حزیں
عشق میں زہر کیا نوش تو پھر کیا ہو گا

دہر کے مئے خانے میں ساغر اُٹھا کر دیکھیے
وہ چلی دُنیا ذرا آنکھیں ملا کر دیکھیے

آئنہ در آئنہ جلوہ بہاروں کا ملے !
اے حسیں ! حُسنِ چمن پر مُسکرا کر دیکھیے

حُسنِ فطرت کے اُفق پر پھر نکل آئے دھنک
مدھ بھری آنکھوں کا پھر جادو جگا کر دیکھیے

پیکرِ نشو و نُما کر دیجیے حسرت مری !
جاں نوازی کیجیے ، پھر مُسکرا کر دیکھیے

عشق کا آغاز بھی ، انجام بھی دار و رسن
کیجیے ہاں ! ابتدا ، ہاں ! انتہا کر دیکھیے

پھر تخیُّل کی جلو میں صاف ہوں نظروں سے گُم
دل میں پھر آجایئے، پھر مشغلا کر دیکھیے

حُسن کہتا ہے مُسلسل کیجیے جور و جفا
عِشق کہتا ہے مُسلسل آزما کر دیکھیے

دوستی کے باب میں ہر آشنا دشمن ہُوا
جی میں ہے اب دشمنوں کو آشنا کر دیکھیے

دیکھنا! خُونِ شہیداں رنگ لائے گا ضرور
کیجیے محشر بپا، پھر فیصلا کر دیکھیے

خُون ہو جائے کلیجا حسرتِ پابوس میں
کاروبارِ شوق کی یُوں ابتدا کر دیکھیے

اِس طرح کہلایئے یکتا زمانے میں حضور!
ہم پہ ہر طرزِ جفا کی انتہا کر دیکھیے

آہ! یہ حسرت کہ دل میں مُدّعا باقی نہیں!
ایک یہ حسرت بھی صرفِ مُدّعا کر دیکھیے

راز جویانِ چمن سے کہ گئی بادِ صبا
اور ہے گُل کی رَوِش، دامن بچا کر دیکھیے

راز کُھلتا ہے کہیں جورِ بُتاں کا اے ندیم!
شکوۂ جورِ فلک، صبح و مسا کر دیکھیے

کیجیے نغمات کو بھی مُحرمِ رازِ سکُوت
خامشی کو بھی ترنُّم آشنا کر دیکھیے

کھینچیے رندانہ، مئے خانے کی جانب شیخ کو
نامِ ساقی یہ بھی اک فتنہ اُٹھا کر دیکھیے

کاکُلِ شب رنگ پھر لہرائیے اے جانِ جاں!
چھُپ کے پھر پردے میں پھر پردہ اُٹھا کر دیکھیے

پھر اشاراتِ محبت کو تکلّم بخشیے !!
مُسکرا کر دیکھیے، پھر مُسکرا کر دیکھیے

کعبۂ ابرُو کی حُرمت کا تقاضا ہے یہی
نقدِ دیں کھو دیجیے، دُنیا لُٹا کر دیکھیے

قاف سے پریاں اُتر آئیں، نیا منظر کھُلے
ہمنشیں! اشعار میرے گُنگُنا کر دیکھیے

جلوۂ حُسنِ بُتاں ہے کھولیے آنکھیں حزیںؔ
بے محابا دیکھیے نظریں جما کر دیکھیے

۵۴

چار دِن کی زندگانی کچھ نہیں
کچھ نہیں، یہ عُمرِ فانی کچھ نہیں

آہ کی صُورت بنے سینے کے داغ
کیا کہا؟ غم کی نشانی کچھ نہیں؟

باہمہ رمز و اشارت پیشِ دوست
نُطق کی مُعجز بیانی کچھ نہیں

دل کے داغوں سے قمر ہو جلوہ گر
ورنہ غم کی میزبانی کچھ نہیں

خُون ہو ارماں تو ہے اِک بات بھی
جانِ من! یہ دِلستانی کچھ نہیں

(۵۵)

کُشتگانِ حسرتِ دیدار کو
یہ صدائے لَن ترانی کچھ نہیں

نقشِ حیرت ہے تمنّا کی زباں
اب تمنّا کی زبانی کچھ نہیں

جادۂ دشتِ طلب کی گرد ہے
یہ رِدائے آسمانی کچھ نہیں

ماورائے نُطق اُس کا ہر سُخن
خُوش ادائی، خوش بیانی کچھ نہیں

جس نے اس مست آنکھ سے پی ہے اُسے
یہ شرابِ ارغوانی کچھ نہیں

یہ سبق ہم کو زمانے سے مِلا
دوستوں کی مہربانی کچھ نہیں

حسرتوں کا در کھلا ہے، چپ ہوں میں
سینہ کوبی، نوحہ خوانی کچھ نہیں

"کچھ نہیں" پھر کہیے، ہاں! یہ صبحِ نو
"رات وہ اپنی سہانی کچھ نہیں"

پھر جفاؤں پر وہ آمادہ ہوا
پھر وہ اپنی جاں فشانی کچھ نہیں

پھر نگاہِ ناز نے تاکا جگر
پھر وہ دل کی خوں چکانی کچھ نہیں

پھر ہوئی ہم کو معانی کی تلاش
پھر محبّت کے معانی کچھ نہیں

پھر چلے کوئے ملامت کو حزیں
آہ! دل کی پاسبانی کچھ نہیں

۵۷

ضبطِ فغاں کی تاب کہاں، حوصلا کہاں
لُٹتا ہے دل کا دیکھیے اب قافلہ کہاں

بڑھتی گئی ہے دُوریِ منزل دمِ سفر
رکھّی ہے تُو نے ذوقِ طلب کی بِنا کہاں!

بس آئنے کے پیشِ نظر آئنہ ہُوا
دیکھا نگاہِ شوق نے وہ دِل رُبا کہاں

دل ٹُوٹنے پہ حسرت و ارماں بھی مٹ گئے
باقی ہے اِک کسک سی مگر مُدّعا کہاں

کارِ ستم کا سلسلہ کر حشر تک دراز
تجھ سے جفا شعار کو پاسِ وفا کہاں

اک ٹکٹکی بندھی ہے سوئے حُسنِ صبح و شام
کیفِ سرودِ عشق کا وہ مشغلا کہاں

سر پہ اُٹھائے پھرتا ہوں اِک آفتابِ حشر
ہوتا ہے دیکھیے مرا اب فیصلا کہاں

ہر ہر مقام گردِ سفر ہو کے رہ گیا
اے رہ نوردِ عشق! تری انتہا کہاں

اے حُسنِ دلستاں! ترے جلووں کی خیر ہو
نظروں میں اب بسے گا کوئی دوسرا کہاں

جُز آشنائے رازِ درونِ چمن حزیں
سُنتا ہے کون! نکہتِ گُل کی صدا کہاں!

اِک ستم بھی ہے پسِ حُسنِ کرم کیا ہوگا!
ترا اے دوست! زمانے میں بھرم کیا ہوگا

مُنتشر ہو گئے پھر وشتِ جنُوں کے ذرّے
ایک صُورت تھی، مِٹی، حشرِ الم کیا ہوگا

اُس کے ملنے پہ سُن اے دشتِ طلب کے رہرو!
بڑھ گیا مٹ کے اگر دردو الم کیا ہوگا

خاک اُڑتی ہے سرِ صحنِ گُلستاں، صد حیف
کچُھ تو کہ بادِ صبا! تیری قسم کیا ہوگا

دل سا رہبر ہمیں ہر چند میسّر ہی سہی
کوُئے جاناں میں نہ اُٹھا جو قدم کیا ہوگا۔

آئنہ بن کے رُخِ یار کو دیکھا ھم نے
چشمِ نظّارہ میں جو کیف ہے کم کیا ہو گا

غم کی رُوداد ہے یہ آہ! بیاں کیا ہو گی
خونچکاں بابِ محبت ہے رقم کیا ہو گا

جس نے دیکھا خمِ ابرُو ترا اے جانِ کرم!
آگے اُس کے خمِ محرابِ حرم کیا ہو گا

میری ہستی ہے کہاں مجھ کو نشانِ منزل
نقش ہو گا مرے قدموں کا، عدم کیا ہو گا

حسرتِ دید نے پھر دل میں اُتاری تری شکل
رُک گیا پھر لبِ بیمار پہ دم کیا ہو گا

جس کی جانب تھی رواں منزلِ مقصود حزیں
جذب ہو گا وہ ترا نقشِ قدم کیا ہو گا

مُدّعا بھی مٹ جاتا، یہ تھا مُدّعا دِل کا
رہ گئے ہمیں مٹ کر، حوصلہ بڑھا دِل کا

گُم ہے عالمِ امکاں، لامکاں بھی گُم اِس میں
یُوں نظر نے ڈھونڈا ہے آج سلسلا دل کا

رہرورِ رہِ اُلفت، آپ اپنا رہبر ہے
آگہی کی صُورت میں راز آشنا دل کا

بے خُودی بھی چھائی تھی، مست تھیں فضائیں بھی
اِک حسین منزل میں قافلہ لُٹا دل کا

لفظ بے حقیقت ہے ہر ادائے معنی میں
جذب کے لبادے میں طور ہے جُدا دل کا

پا شکستہ ہے ہر چند دشتِ شوق کا راہی
پھر بھی قصدِ منزل ہے لے کر آسرا دل کا

سر بسر ہے اک شوخی، سر بسر ہے اک مستی
وہ ہے ابتدا دل کی، یہ ہے مُنتہا دل کا

دُور تک نظر آیا ایک عالمِ حیرت
رُوبرُو ترے اے دوست! ماجرا کھُلا دِل کا

مٹ سکا نہ کاہش سے ذوقِ لذّتِ عِصیاں
جبر سے کھلا عُقدہ، مُدّعا ملا دل کا

ٹُوٹنے لگی پیہم کہکشاں سرِ مژگاں
پھر ہمیں سُناتا ہے کوئی ماجرا دل کا

چھیڑتا ہے پھر کوئی داستاں محبت کی!
خونچکاں ہیں پھر آنکھیں، درد پھر سوا دل کا

پُرزے پُرزے داماں ہے، دھجّیاں گریباں ہے
کوچۂ ملامت سے پھر ہے واسطہ دِل کا

پھر حسیں اشاروں سے کوئی لے چلا ہم کو
پھر زُباں پر آیا ہے، پاسباں خدا دِل کا

اے حزیںؔ محبّت کیا، سر بسر ہے رُسوائی
سَو رَوِش سے پرکھا ہے ایک ماجرا دِل کا

نغمے طرب کے پیشِ عروسِ بہار تھے
ہم کو خزاں پسند تھی ہم سوگوار تھے

منزل پہ آکے، اُن سے بچھڑتا گیا کوئی
گم گشتگانِ راہِ جنوں، دلفگار تھے

رُودادِ گُلستاں کسی کانٹے سے پوچھیے
کیا پھول تھے کہ زینتِ فصلِ بہار تھے

حُسنِ چمن نواز کی رعنائیاں نہ پوچھ
پھولوں سے بڑھ کے خار ہمیں خوشگوار تھے

اُٹھی جدھر نگاہ، وہیں جم کے رہ گئی!
ہم محفلِ زمانہ میں بیگانہ وار تھے

باقی رہے گی حسرتِ دیدار تا ابد!
اے دوست! ہم ازل سے ترا انتظار تھے

سر پر ہمارے کون سا تھا آسماں محیط؟
ہم کون سی زمین پہ اے کردگار تھے؟

دل پر گزر گئی جو قیامت تو کیا ہُوا
ہم سوگوارِ زیست تھے، بے اختیار تھے

جانِ حقیر پُرسشِ احوال پر نثار!
لب پر ہنسی کی موج تھی اور غمگسار تھے

دُنیائے آب و گِل میں اگر تم تھے صُبحِ نَو
ہم گردشِ حیات کی شبہائے تار تھے

تُو ہی بتا! فلک کے ستارے، زمیں کے پھُول
کیا آفتابِ درد کے آئینہ دار تھے؟

غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا جس پہ، کون تھا ؟
ہم کُشتگانِ عشق تھے، حسرت شعار تھے

نظریں ہٹیں تو قافلہ گُم ہو کے رہ گیا
کیا رہروانِ راہِ طلب نشہ سوار تھے!

ہر چند پا شکستہ ہیں لیکن خُدا گواہ
ہم رازدارِ شوخیِ رفتارِ یار تھے

اب چیختی صدا ہیں سرِ کوہسار آہ!
یادش بخیر ہم کبھی مُشتِ غبار تھے

میری بَلاکشی کا مُرقّع، ستم ترا!
تیری جفا کے اور بھی اُمّیدوار تھے

اے دوست! تیرا حُسنِ نظر جاوداں رہے
ہم آپ ہی شکایتوں پہ شرمسار تھے

دامن میں حُسن بھر لیا کس نازکی سے واہ!
الفاظ تیرے کیا تھے حزیںؔ سحر کار تھے

ابھی یہ داغ سینے کے نمایاں اور بھی ہوں گے
جو حیراں ہیں مری صُورت پہ حیراں اور بھی ہوں گے

سرِ مژگاں، دُر و گوہر، فروزاں اور بھی ہوں گے
لہُو میں جو نہاتے ہیں وہ ارماں اور بھی ہوں گے

سُن اے ہمدم! حدیثِ دل کے عُنواں اور بھی ہوں گے
ابھی مجنُوں بہُت ہوں گے، بیاباں اور بھی ہوں گے

محبّت میں سلیقہ ضبطِ غم کا ہاتھ سے چھُوٹا!!
پشیماں ہم تو ہیں لیکن پشیماں اور بھی ہوں گے

نظر آتی ہے ساحل بن کے ہر موجِ بلا مجھ کو!!
بتا گرداب حشر انگیز! طوفاں اور بھی ہوں گے؟

پس ہر داغِ دل اک چاند اُبھرے گا تمنّا کا
ستارے چشمِ تر کے، زیرِ مژگاں اور بھی ہوں گے

کفن کی سلوٹوں میں چھپ کے رہ جائیں! کہاں ممکن؟
یہ داغِ تیرہ بختی ہیں نمایاں اور بھی ہوں گے

ابھی بادِ صبا اُس پھول کا پیغام لائے گی
ابھی غنچے کریں گے رقص، خنداں اور بھی ہوں گے

ابھی پھُوٹے گا فطرت کے اُفق سے نور کا دھارا
ابھی سوزِ درُوں کے ساز و ساماں اور بھی ہوں گے

ابھی ذوقِ جنُوں پیدا کرے گا اور بھی گلشن!
تخیّل کی جلو میں شبستاں اور بھی ہوں گے

محبّت کو ہے کیا پروا اِس آب و گِل کے زنداں کی
جو زندہ یُوسفِ دل ہے تو زنداں اور بھی ہوں گے

طلسمِ گردشِ صبح و مسا بھی ٹوٹ جائے گا!
مرے حُسنِ طلب پر اُن کے احساں اور بھی ہوں گے

ہوائے شوق اُڑا لے جائے گی کوئے دلآرا میں
دِلِ راز آشنا سے اُن کے پیماں اور بھی ہوں گے

نظر پر آئنہ ہو گا، رُخِ دلبر کا ہر جلوہ
تماشائی تماشا بن کے حیراں اور بھی ہوں گے

یہ مانا دشت ہے پُرخار ہر تیرِ نظر تیرا
جو تو دیکھے تو میرے دل میں پیکاں اور بھی ہوں گے

سمیٹے گی زماں کو بھی حیاتِ نوعِ انسانی
مکاں کی وسعتوں سے دُور میداں اور بھی ہوں گے

ابھی آگے بڑھے گا سلسلہ اُس کی جفاؤں کا
وفائیں خُون تھوکیں گی، غزل خواں اور بھی ہوں گے

حزیںؔ ہر چند ہے جذب و تخیّل ہم عناں اپنا
طلب کی راہ میں دل کے نگہباں اور بھی ہونگے

غلط کہ دل کو طلب درد کی رہی کم ہے
جہانِ حُسن میں دیکھا تو دل ہی کم ہے

بُہت ہے اہلِ تمنّا کی پاسداری کو
مزاجِ یار میں ہر چند دوستی کم ہے

قدم قدم پہ نیا آسماں، نئی ہے زمیں
مگر مسافتِ دشتِ جنُوں ابھی کم ہے

وہ آ گئے سرِ بالیں، گُماں یہی پل پل
نفس نفس کوئی کہتا ہے زندگی کم ہے

سوادِ منزلِ جاناں ہے یہ، نہیں منزل
دیارِ شوق ہے یہ، اس میں روشنی کم ہے

۷۳

نیا ہے پیرِ مغاں، خُم نئے، نئی صہبا
نئے ہیں رِند، مگر ذوقِ مے کشی کم ہے

تری جفاؤں نے یہ راز مجھ پہ فاش کیا
بُہت اگرچہ ہے دنیا میں دشمنی کم ہے

سمٹ کے آگئی آنکھوں میں، لامکاں میں گئی
کبھی دراز مری داستاں، کبھی کم ہے

رَوِش رَوِش جو سنوارے حیاتِ اِنسانی!
وہ خال خال ہے انساں، وہ آدمی کم ہے

اِدھر بھرا تو اُدھر دم میں ہو گیا خالی!
یہ حُسن اور جوانی کا ظرف ہی کم ہے

فنا کے گیت نہ گا، مُطربِ جمال آموز
بقا حیات کا مقصد ہے، عارضی کم ہے

رہِ وفا میں کٹھن پھر کوئی مقام آیا
کسی کی آنکھ میں ہے لُطف، بے رُخی کم ہے

گرے گی پھر کوئی دیوار دل کے ایواں کی
بہُت دنوں سے طبیعت میں برہمی کم ہے

جنھیں ہے پی کے بھی ہر لحظہ بے خُودی کا شعُور
مری نگاہ میں اُن مے کشوں نے پی کم ہے

حریف دل کی زباں ہے، تو دل زباں کا حریف
خُدا گواہ! محبّت میں گُفتنی کم ہے

قبائے دوست سے نسبت اسے گِلہ کیسا!
یہ چاکِ جیب و گریباں کہ مدّعی کم ہے

حدُودِ فکر سے آگے تھا سلسلہ جس کا
وہ بات ہمنفسو! دل سے بھی کہی کم ہے

وفا سرشت ہے میری، جفا ترا معمول
تُو ہی بتا کہ محبّت میں یُوں نبھی کم ہے؟

نظر اُچاٹ، طبیعت نڈھال، جی ترساں
یہ ماجرا ہے محبّت کا، سُنسنی کم ہے

نظر سے حُسن کی پیدا ہر آگہی شاھد
سُنی ہے دل کی حکایت مگر کہی کم ہے

یہ کہ رہی ہے مری جُستجو فغاں ہو کر
کہ بزمِ عالمِ امکاں ابھی جمی کم ہے

زمانہ پھر گیا، اُف تم نے بھی نباہ نہ کی
یہ قول سچ ہے کہ دُنیا میں راستی کم ہے

کدھر ہے مہرِ تجلّی، اِدھر بھی ایک نظر
دیارِ عشق کی راہوں میں چاندنی کم ہے

حزیںؔ خیال کا اِک سلسلہ سخن میرا
جو آئی جوش میں طبعِ رواں رُکی کم ہے

زیرِ مژگاں ہجُوم تاروں کا
طُرفہ ہدیہ ہے غم گسُاروں کا

عِشق، اِک جستجو، رہائی کی
حُسن، اِک دام گُل عِذاروں کا

آبجو، رنگ، نغمہ و نکہت
زِندگی جشن ہے بہاروں کا

میرا شوق مُجھ سے لِپٹی ہے
میرا مسکن ہے دشت خاروں کا

اشکِ چشمِ خجل ہُوا صد حیف!
میں گریباں ہُوں شرمساروں کا

کہ دیا دل نے آنکھ سے بہ کر
ماجرا رُوٹھتی بہاروں کا

پھر نشیمن تلاش کرتا ہُوں
پھر بھروسا ہے شاخساروں کا

پھر چٹکتی ہُوئی کلی بولی!
پھر کُھلا راز لالہ زاروں کا

بجلیوں کی تڑپ ہے پھر دل میں
پھر ہُوں اِک نقش کوہساروں کا

پھر فضاؤں میں ہے پرافشانی
پھر ارادہ ہُوں کامگاروں کا

دردمندوں کا حوصلہ پھر ہُوں
ولولہ پھر ہُوں بے قراروں کا

میرا گرنا نہیں سنبھلنا ہے
خُوب واقف ہُوں رہگزاروں کا

رازداری جُنُوں کی فطرت ہے
دِل بھی اک راز ، رازداروں کا

لُٹ گیا دشتِ عشق میں آخر
ہمدمو! قافلہ سہاروں کا

مُجھ سے باقی ہے بحر کا آشوب
مُجھ سے قائم بھرم کناروں کا

اِک سُبک سیر موجِ نکہتِ گُل
ایک نغمہ ہُوں جُوئباروں کا

شعر میں لفظ کی ہُوں شیرینی
میں ہُوں اِک نقشِ حُسن کاروں کا

مَیں ہی شیدائے جلوۂ معنی
مَیں طلب گارِ نغمہ زاروں کا

بات کی اِس طرح ہُوئی تکمیل!
راز کُھلتا گیا اشاروں کا

دار پر لے چلا کوئی مجھ کو!
دل ہے ممنُون دوستداروں کا

اے حزیں آگ ہو مرے دِل میں
سربسر رقص ہُوں شراروں کا

اللہ! قلب و رُوح کی اِک اِک چبھن میں تھی
لذّت فراقِ یار کی، رنج و محن میں تھی

نظروں میں اشتیاق کے تارے سے بھر گئی
اِک کہکشاں نہاں مرے سیمیں بدن میں تھی

دفتر کُھلے تھے حُسنِ معانی کے باب میں
وہ چیز دل فریبیِ ذوقِ سخن میں تھی

حُسن و ادا و ناز کا دریا تھا موجزن
نظّارگی کی جان ترے بانکپن میں تھی

وہ بھی ہُوئی شہیدِ گلستاں، خُدا گواہ
اِک حسرتِ نگاہ کہ باقی چمن میں تھی

قہر و غضب بھی، سرزنشیں بھی، عتاب بھی
دل بستگی کی رُوح بھی اُس کے چلن میں تھی

کب پا سکی نزاکتِ حُسنِ بُتاں کا راز؟
ہر چند نازُکی، مری طرزِ سخن میں تھی

یہ کون رُوبرُو تھا حریمِ خیال میں!
پھیلی ہُوئی سی چاندنی فطرت کے فن میں تھی

میں جانتا ہُوں فصلِ بہاری کا ماجرا
اِک آگ گُلستاں میں تو اک میرے تن میں تھی

آگاہ میں ہُوں خونِ تمنّا کے راز سے
ہمّت بھی کوہ کن کی مرے مُردہ تن میں تھی

میں نے بھی اُس پہ ہاتھ بڑھایا تھا بے دریغ
برچھی بھی نوکِ خار کی گُل کے بدن میں تھی

سستے لُٹے ہیں دیکھنا! کیا کیا دل و جگر
پابندیِ خلوص کسی راہزن میں تھی!

لمحے نظر کے سامنے یہ بھی گزر گئے
لرزش سی اِک عیاں کفِ ناوک فگن میں تھی

اِک یاس کا ہجوم تھا حدِّ نگاہ تک!
اِک تیرگی چھُپی ہوئی صبحِ وطن میں تھی

اِک نقش بھی تھا اُس کے حنا بستہ ہاتھ کا
اِک بُوئے خُوں کی مَوج بھی میرے کفن میں تھی

ذرّے چمن کے بن گئے نکہت سرائے رنگ
دُنیائے رنگ و بُو مرے گُل پیرہن میں تھی

مِلتا تھا بے خُودی میں خُودی کا نشاں ہمیں
لذّت وہ کیا عجیب شرابِ کہن میں تھی

ہم کو بھی ناز اپنے مُقدّر پہ تھا حزیںؔ
دُنیا ملی ہُوئی ہمیں اُس انجمن میں تھی

گاتا ہے قلندری ترانہ
انداز ہے دِل کا خُسروانہ

رہتی ہے تلاش بجلیوں کی
رکھتا ہُوں چمن میں آشیانہ

سینے سے لگا لیا ترا غم
نظروں سے اُتر گیا زمانہ

ہم بھی ہیں تشنہ کام ساقی!
ہم کو بھی پلادے مے شبانہ

پہنچا ہے زمیں سے آسماں تک
ہر قول ترا ہے عارفانہ

دیکھی ہے دلوں نے راہ تیری!
پایا نہیں آہ! آستانہ

اِک تار بھی جیب میں نہیں جب
سُنتا ہُوں بہار کا ترانہ

رہنے دے فسانۂ غمِ دِل
عبرت کا لگا نہ تازیانہ

آ دیکھ! کہ لختِ لختِ دِل ہے
رکھتا ہے تُو رنگ محرمانہ

آ دیکھ! لہو لہو جگر ہے
ہوتا ہے بیاں مرا فسانہ

آ دیکھ! گلی گلی ہُوں تنہا
صُورت ہے مری مُسافرانہ

ہمدم ! یہ ہے شفق کہاں اُفق پر ؟
جلتا ہے مرا ہی آشیانہ

آتی ہے نفس نفس تری یاد
رُکتا ہے قدم قدم زمانہ

ہر چیز طلب کے راستے میں
ملتی ہے ، مگر مسافرانہ

منزل کو رواں دواں ہیں راہی
منزل بھی رواں ہے غائبانہ

دیکھا تھا کس نظر سے تُو نے
آیا نہ ڈگر پہ پھر زمانہ

آ دوست اب مجھے گلے لگا لے
وہ دیکھ بدل گیا زمانہ

بے مثل ہے مثنوی کے فن میں
اندازِ نسیمؔ، کافرانہ

یکتا ہے سُخن وری میں یعنی
اسلُوب ہے یاسؔ کا یگانہ

دل سے قائل ہُوں دردؔ کا بھی
جن کا ہے کلام عارفانہ

اقبالؔ سے ہے مجھے عقیدت
جن کا ہے سُخن قلندرانہ

مانگا تھا فلک سے چاند میں نے
میری بھی یہ بُھول عاشقانہ

ٹھُوکا جو لہُو چمن میں گُل نے
فطرت کا نہ چل سکا بہانہ

جو شعرِ حزیں ہے منفرد ہے
رنگ اُس کا ہے سُخن ورانہ

فضا بھی تھی دُھواں دُھواں، افق بھی تھا شرر فشاں
نظر کے سامنے یہ کس کا جل رہا تھا آشیاں

رہِ طلب کے راہرو! ازل سے ہے رواں دواں
نہ لمحہ بھر بھی زندگی کا رُک سکے گا کارواں

نہ جس میں ہو تری طلب، جو مِٹ کے ہو نہ بے نشاں
وہ جُستجو فریب ہے، وہ زِندگی ہے رائیگاں

کہاں ہے، سامنے بھی آ تو اے مکینِ لامکاں!
طلب مری فلک فلک، جنوں محیطِ بے کراں

وفا کا ماجرا نہ سُن، وِگر ہے کیفیت مری
تری نظر سے ہو بیاں، وہ درد دل میں ہے نہاں

دلِ وفا پرست سے یہ اب بھی اُٹھتی ہے صدا
جفا شعار کر ستم، تری جفا گئی کہاں

بقدرِ آگہی فزوں، مری نظر کی حیرتیں
رہِ طلب میں دل بھی تو نہیں مزاج داں

بلاکشی کی پھر مجھے نفس نفس تلاش ہے
جگر میں پھر لہو نہیں، وہ پھر نظر ہے خونچکاں

فریبِ آگہی بتا! یہ کون ہے نفس نفس!
کہاں ہوں میں؟ کہاں ہوں میں؟ نہ ہے زماں نہ ہی مکاں

شہود و غیب کے جہاں میں ڈھونڈنا مرا عبث
نفس نفس ہوا ہوں گم، قدم قدم مرا نشاں

اُٹھے اک آہ دشت سے تو چشمِ ابر بھی ہو تر
شرر فشاں ہو گلستاں کروں جو حالِ دل بیاں

ترے ستم سے مِل گیا بقا کا سلسلہ مجھے
جہانِ سوز و ساز میں حدیثِ دل ہے جاوداں

نہ دل کو حوصلہ اِدھر نہ لب کُشا اُدھر کوئی
تو ہی بتا دے چشمِ تر! حجاب کیا ہے درمیاں

شمیم کا تو ذکر کیا، گلوں سے رنگ اُڑ گئے
کلی کلی نے دی صدا کہ راہزن ہے باغباں

خُدا گواہ دار ہے علاج میرے درد کا
یہ بات تُو بھی مان لے مرے شفیق و مہرباں

سفینہ زد پہ موج کی وہ آ گیا، وہ آ گیا
ہوا بھی تُند و تیز ہے، تڑپ رہی ہیں بجلیاں

وفورِ فصلِ گُل میں بھی جُنوں کا ہوش تھا ہمیں!
مگر یہ کون لے اُڑا جو بچ رہی تھیں دھجیاں

وہ آگئے جو دفعتاً عجیب کیفیت ہوئی
زمین وہ زمیں نہ تھی نہ آسماں وہ آسماں

زمیں پہ گُل بکھیر کر، گُہر فلک پہ ٹانک کر
دکھا کے شعبدے حسیں گیا یہ کون دلستاں

گِلے کی پُوچھتے ہو کیا؟ کہ جی کی جی میں رہ گئی
کیا جو قصد بات کا دہن میں رُک گئی زباں

دل و نظر میں بس گیا یہ کون خُوش ادا حزیںؔ
کہ برگِ گُل مری زُباں، شمیم ہے مرا بیاں

اُفقِ دل سے اُبھرتا ہُوا خاور دیکھا
تیرہ بختی میں بھی اک حُسن کا منظر دیکھا

شعبدہ یہ بھی ترا چشمِ فسوں گر دیکھا
رُک گیا چرخ، قرارِ دلِ مضطر دیکھا

جبر مٹ جائے زمانے سے، نہ دیکھا ہم نے
آہ! انسان کے سینے میں بھی پتّھر دیکھا

بے خُودی کھینچ کے لائی تری تصویرِ جمیل
ایک اک نقش ترا ہم نے مکرّر دیکھا

حیف! ہم دوش ہو بُلبل کی فرومایہ زغن
بُوم، ہمتائے ہُما، باغ میں اکثر دیکھا

خار و گل ساتھ تلے، اُف یہ قیامت دیکھی
سر بسر خاک میں رُلتا ہُوا گوہر دیکھا

میں نے دیکھی کہ بڑھی جانبِ رہرو منزل
راہ گم کردہ بھٹکتا ہُوا، رہبر دیکھا

قطرۂ مے کو ترستا ہُوا دیکھا مینا
دستِ مے خوار میں ٹوٹا ہُوا ساغر دیکھا

ہم نے دیکھے ہیں خط و خال کے پیکر یکسر
آئینے کو بھی ترے نقش سے کم تر دیکھا

جن کو اِخلاص کا دعوٰے تھا انھیں کو ہم نے
آستینوں میں چُھپائے ہُوئے خنجر دیکھا

ہم نے دیکھا کہ ہُوا خُون کلیجا گُل کا
باغباں کو نہ کسی نے بھی سُبک سَر دیکھا

سہما بیٹھا ہُوں، لرزتا ہُوں کہ اِن آنکھوں سے
رَوشِ باغ پہ چلتے ہُوئے اژدر دیکھا

فردِ عصیاں ہی نہ دیکھی کہ ندامت تھی کمال
میں نے بس تیرا کرم داورِ محشر دیکھا

نقشِ پا گُم ہیں، نہ جادہ ہے، نہ منزل کا نشاں
اتنی بھی دید بُہت ہے، تجھے دم بھر دیکھا

نازنیں کون تھا؟ کِس کا تھا یہ اندازِ خرام؟
ہفت افلاک کی راہوں کو مُنوّر دیکھا

مَوج در مَوج جو ہو حُسن کے جلووں کو محیط
قلزمِ جذب کا وہ طُرفہ شناور دیکھا

سفرِ شوق میں ساتھی کی تمنّا؟ بے سُود
رہ نوردانِ طلب! حالِ سکندر دیکھا؟

اپنے کس بل پہ جسے ناز تھا اُس ارجن نے
پردہ چہرے سے ہٹایا رُخِ دلبر دیکھا

شوق کی راہ میں وارفتۂ رفتار رہے
ہم نے دل سے نہ کبھی جھانک کے باہر دیکھا

لالہ ساماں ہوئی ایک ایک رَوِش گلشن کی
دلِ خوں گشتہ کا تابندہ مُقدّر دیکھا؟

حُسنِ بے فیض سے پتھرا گئیں آنکھیں یعنی
ذرّے ذرّے کو غمِ یاس کا پیکر دیکھا

دیکھی جذبات میں رنگینیِ افکار کی رَو
اے حزیںؔ ہم نے تمھیں طُرفہ سُخنور دیکھا

جو ہو اپنی دُھن میں رواں دواں، اُسے زندگی کی خبر کہاں
تو ہی کیفِ لغزشِ پا بتا! مری شام کی ہے سحر کہاں

میں فریب خوردۂ آرزو، مری آہ میں ہے اثر کہاں
وہ سوادِ منزلِ غم کہاں، وہ نشانِ گردِ سفر کہاں

نہ مری جہت، نہ مرا مکاں، مری منزلیں ہیں مرے قدم
مری جستجو کے اُفق پہ ہے یہ فریبِ شام و سحر کہاں

یہ بنائے گردشِ چرخ بھی، یہ کشودِ رازِ حیات بھی
دلِ مضطرب کی ہے بے کلی، یہ نمودِ رقصِ شرر کہاں

بھلا ہے یہ حُسنِ طلب مرا؟ یہ حریمِ جلوۂ ذات ہے؟
تری دین ہے یہ بجا سہی، یہ جہاں مرا ہے مگر کہاں

مجھے کہکشاں کی طلب نہیں، مہ و آفتاب سے کیا غرض
یہ ہے ابتدائے جنُوں ابھی میں ابھی ہُوں گرمِ سفر کہاں

وہ اُڑا کے زور سے لے چلیں مجُھے دشتِ شوق کی آندھیاں
مری خاکِ مہر و وفا ٹھہرا مرے پاس زادِ سفر کہاں

نہ گریز کر مری رُوح بن، کبھی آ حریمِ خیال میں
لبِ جستجُو پہ سوال ہے کہ ملا ہے ذوقِ نظر کہاں

ابھی دل کے آئنے سے عیاں ہے وہ رنگ رنگ شکستگی
ابھی آشکار نظر پہ ہے وہ کمالِ آئنہ گر کہاں

مری کیا خطا ہے؟ یہ ظلم کیوں ابُ مجھے کچُھ تو دَورِ فلک بتا
جو بنا تھا خاص مرے لیے وہ نہاں ہُوا ہے نگر کہاں

مرے لب پہ کب ہے ترا گلہ، دل و جاں سے بھی یہ عزیز ہے
ترے غم کا یہ بھی ہے سلسلہ، غمِ زندگی سے مفر کہاں

۱۰۰

وہ جمیل ہیں، وہ لطیف ہیں، قسم آگہی کی، مجھے حزیںؔ!
کروں نذر اُن کے حضور جو وہ متاعِ قلب و جگر کہاں

بے رنگ مان بھی لیں تو بے نام ہے کہاں
وہ جانِ حُسن موردِ الزام ہے کہاں

فطرت کے گُل کدے میں ہے سو رنگ سے عیاں
ذوقِ آفریں جمال کا اِک نام ہے کہاں

دشتِ طلب میں عزم جہاں گرد ہوں ندیم!
منزل پہ آ رُکوں! مرا انجام ہے کہاں

لب سِل گئے ہیں رازِ حقیقت نہ پوچھیے
اُس کی نظر ہے، گردشِ ایّام ہے کہاں

پیوندِ خاک ہو گئے گردوں نشاں جو تھے!
ہستی مٹی ہے سام کی، بہرام ہے کہاں

زنگ آئینے میں دل ہی کے ہے، دیکھ غور سے
چشمِ صفائے دوست میں ابہام ہے کہاں

فصلِ بہار بادہ پرستوں سے کہ گئی
فطرت کی جو کشید ہو وہ عام ہے کہاں

حلقے ہیں اُس کے انجُم و خورشید و ماہتاب
یہ چرخ بے نشاں تو ہے، بے دام ہے کہاں

حسرت مٹی جو حسرتِ ناکام کے لیے
دِل میں ہمارے حسرتِ ناکام ہے کہاں

مٹ مِٹ گئی ہے جس کے تصوّر میں زندگی
وہ حاصِلِ حیات، دلآرام ہے کہاں

کیوں کر کہوں، وہ رونقِ مے خانہ کیا ہوئی
مینا کہاں ہے؟ بادہ کہاں؟ جام ہے کہاں؟

پیرِ مغاں کے لب پہ ہے اب بھی وُہی صدا
وہ رندِ مست، خمکدہ آشام ہے کہاں

گُم ہو کے رہ گیا کہیں فردوسِ آرزو
وہ صبحِ نوبہار، حسیں شام ہے کہاں

جس کی زُباں پہ وِرد ترے نام کا رہا!
وہ کاروبارِ شوق میں بدنام ہے کہاں

آئی بہار، بن کے خزاں پھر یہ کہ گئی
جس کی طلب تھی مجُھ کو وہ گُلفام ہے کہاں

گُلشن کا پھُول پھُول ہے ساغر شراب کا
جاں آفریں وہ بادۂ بے جام ہے کہاں

آنکھوں میں بھر گئی ہے شفق رنگ سُرخیاں
خُوں گشتہ آرزوئے طلب خام ہے کہاں!

نظروں کو زعم منزلِ جاناں قریب ہے
دل کو یہ ضد کہ شوق کا انجام ہے کہاں

لعل و گہر سے بھر گیا دامن مرا حسین
کس نے کہا کہ عشق کا انعام ہے کہاں

حیف اُس کا ہے جسے سوزِ دروں ، جگر نہ ہُوا
یہ نخل وہ ہے کہ شرمندۂ ثمر نہ ہُوا

چراغ لے کے جسے ڈھونڈ لیں زمانے میں
بشر ہُوا مگر ایسا کہیں بشر نہ ہُوا

دمِ سفر ہُوئی منزل بھی رہ گزر اُس کی
سمندِ شوق کہ پابندِ رہ گزر نہ ہُوا

کِسی نے حال نہ پُوچھا جفا کے ماروں کا
مآلِ عشق پہ کوئی بھی نوحہ گر نہ ہُوا

تری نگاہ کی گردش میں کھو گیا آخر
قرار ، دل کو میسّر جو عمر بھر نہ ہُوا

خزاں کے دَور میں کانٹے چمن کے یاد آئے
سُخن کسی کا طبیعت پہ کارگر نہ ہُوا

ہمیشہ خارِ چمن سے اُلجھ گیا دامن
نصیب، دل کو خُوشی کا کبھی ثمر نہ ہُوا

جُنوں کو بھی نہ مِلا اے حزیںؔ نشاں میرا
میں قصرِ شوق میں بھی نقشِ بام و دَر نہ ہُوا

دِل خُونچکاں ہے، شوق کے آثار کیا ہُوئے
وہ بُلبُلیں کہاں گئیں، گُلزار کیا ہُوئے

دامن بھرا ہے برگِ گُلِ تر کا خاک سے
رنگوں کے، نکہتوں کے پرستار کیا ہُوئے

تُو ہی بتا وہ جن کو ترا غم عزیز تھا
دُنیائے رنگ و بُو کے طلبگار کیا ہُوئے؟

حیراں ہے آنکھ، چُپ ہے زُباں، جی اُداس ہے
ڈھارس بندھی تھی جن سے وہ غمخوار کیا ہُوئے

ساقی کہاں ہے؟ ساغر و مینا کدھر گئے
جو رُوبرُو ابھی تھے وہ مے خوار کیا ہُوئے

اپنے وطن میں آپ غریب الدیار ہوں
یارو! کہو وہ کوچہ و بازار کیا ہوئے

شاید خلوص مٹ گیا دُنیا سے اے ندیم!
مہر و وفا کے آہ! علم دار کیا ہوئے

دیکھو تو سر کی پاؤں تلے کی زمیں نہ ہو
صورت وہ کیا ہوئی، در و دیوار کیا ہوئے

دِل بُجھ گیا، نشانِ مُروّت جو مٹ گیا
وہ خواجگی کہاں ہے؟ وہ ایثار کیا ہوئے

اللہ! کیا ہوئی وہ رہ و رسمِ دوستی
حُسنِ یگانگی کے رنگ دار کیا ہوئے

آئینہ دل کا توڑ دیا، یہ صلہ دیا
وعدے وہ تیرے یارِ وفادار! کیا ہوئے

وہ نیم شب کو سلسلہ تیرے خیال کا،
فطرت کے راز داں مرے افکار کیا ہوئے

وہ سنگِ در پہ صبح و مسا جبہہ سائیاں
ذوق آفریں وہ حُسن کے دیدار کیا ہوئے

جلووں کی بارشیں تھیں حریمِ خیال میں
جو تھے اُترتے عرش سے اسرار کیا ہوئے

جو لفظ تھا وہ نغمۂ تارِ رباب تھا
معنی، اسیرِ لذتِ گفتار کیا ہوئے

دامِ فریبِ حُسن کا ہر راز کُھل گیا!
آزادگانِ عشق گرفتار کیا ہوئے

دارا کہاں ہے؟ شوکتِ پرویز ہے کہاں
انساں سے ظلمتوں کے طلبگار کیا ہوئے

وہ ہستیاں جو گیوئے زماں تھیں کدھر گئیں؟
وہ زہرہ طلعت، آئنہ رُخسار کیا ہوئے

نِگلا اسی کے حلق نے قاموس کا مُحیط
کُہسار اس زمیں پہ گراں بار کیا ہوئے

تُو کون سی منازلِ غم میں ہے گرم رَو؟
تیرے وہ رُوز و شب دِلِ بیمار کیا ہوئے

چُپ رہ، سُخن پہ حرف نہ آئے دِلِ حزیں
مت کہہ کسی کے تجھ سے وہ اقرار کیا ہوئے

کیا سے کیا ہو گئی فضا دیکھ
کھول آنکھ، نظارہ باغ کا دیکھ

چل چل کے رُکی ہے پھر صبا دیکھ
رنگِ رُخِ گلستاں اُڑا دیکھ

یُوں مُجھ پہ نہ آہ! مُسکرا دیکھ
احوال مرا دِگر ہے آ دیکھ

سوسن ہے گدا گرِ نوا دیکھ
نرگس ہُوئی سائلِ حیا دیکھ"

سُن رازِ نہانِ قلبِ نکہت
کہتی ہے گُلوں سے کچھ صبا دیکھ

ہر برگ ہے لالہ زار در کف
مقتولِ ادا کا خوں بہا دیکھ

رکھتا ہُوں مَیں زیرِ آستیں چاند
فطرت کا ہُوں راز آشنا، دیکھ

آ دیکھ، سُخن کا آئنہ ہُوں
سَو رنگ سے حُسن کی ادا دیکھ

میں نے تھامی عناں زماں کی
ہوتی ہے سفر کی ابتدا دیکھ

منزل کو بے طلب رواں ہُوں
میرا مسلک ، مری ادا دیکھ

دیکھوں تجھُے بے حجاب آخر
لاریب، یہ ہے مجھے روا دیکھ

کُھلتا ہے وفا کا راز کوئی ؟
یہ راز دلوں میں ہے چُھپا دیکھ

تُجھ کو تو فریب خُوردۂ شوق
پھر چھوڑ چلا ہے رہنُما دیکھ

پھر دیکھ نگارِ حسرتِ دِل
بے صرفہ ہُوئی مری وفا دیکھ

پھر دیکھ دریدہ دامنی بھی
سَو ہاتھ سے چاک ہے قبا دیکھ

پھر آنکھ کی دیکھ خُوں چکانی
لُٹتا اِک اِک ہے آسرا دیکھ

محرُومِ ضیا ہُوا مرا دن
نظریں تو اُٹھا کے مہ لِقا دیکھ

تنہا ہُوں جُنوں کی منزلوں میں
دل سے بھی جُدا ہُوں، اِنتہا دیکھ

اُبھرا ہے دلِ حزیں سے خاور
روشن ہے اُفُق اُفُق فضا دیکھ

رفتارِ حُسنِ یار کے تیور بدل گئے
منزل کے ہم فریب سے یکسر نکل گئے

چھڑنے لگا تھا ذکر فروغِ بہار کا
وہ مُسکرا کے بات کا پہلو بدل گئے

یہ راز، وقتِ لغزشِ پائے طلب، کُھلا
ساقی نے جن کو تھام لیا وہ سنبھل گئے

وہ بھی بدل گئے تھے زمانے کے ساتھ ساتھ
ہم بھی بہ احتیاطِ ادب کچھ بدل گئے

چُھوٹا نہ ہم سے رشتۂ آدابِ عاشقی
کُوئے وفا میں جب بھی گئے، سر کے بل گئے

وہ آرزوئیں ہیں کہ لبوں پر دھواں بنیں
دل ہیں خدا گواہ وہی دل کہ جل گئے

تیری رضا کہ حرفِ شکایت نہ کہ سکوں
تیرا کرم کہ آنکھ سے چشمے اُبل گئے

محفل میں کائنات کی وہ سیر چشم ہوں
عالم ہزار میری نگاہوں میں ڈھل گئے

ناموسِ عشق ہم کو مقدّم تھا ہر نفس
خاموش بزمِ حُسن سے اُٹھ کر نکل گئے

تالیفِ قلب اب کہیں ممکن ہی، اے ندیم!
دل پر کسی کی بات سے آرے سے چل گئے

دُنیائے آب و گِل سے رہے آگے دو قدم
تیرے فقیر چال قیامت کی چل گئے

ساقی! تری نگاہ کی سرمستیوں کی خیر
مینا ہیں محوِ رقص تو ساغر اُچھل گئے

جوشِ بہار کو بھی میسّر کہاں ثبات؟
ہنس ہنس کے پھول بارِ چمن کے اُگل گئے

شعلہ جگر کا مہر کی تابش سے ہے فزُوں
سَو بار اس کی آنچ سے کُہسار جل گئے

پست و بلند ہو گئے ہموار عشق میں
بَل زندگی کے جتنے بھی تھے سب نکل گئے

اللہ! کس گُناہ کی پاداش یہ ملی!
کیوں مُجھ سے بار ہا مرے احباب جل گئے

مل جائے کُچھ سُراغ تو اے ہمسفر! کہوں
منزل بدل گئی ہے کہ راہرو بدل گئے

سچ ہے بقولِ دَرد یہاں چل چلاؤ ہے
کچھ لوگ آج چل دیئے کچھ لوگ کل گئے

تم تھے، جنُوں کا ہوش تھا، دُنیا حسین تھی
وہ شب تمام ہو گئی، وہ دِن بھی ڈھل گئے

ساقی نہ وہ رہا نہ بلانوش وہ رہے
مَے خانۂ حیات کے ساغر بدل گئے

میری نظر میں گردِ رہِ شوق تھا حزیںؔ
وہ کون تھے کہ حُسنِ جہاں پر مچل گئے

جوہری کی آنکھ سے دیکھو تو ہیں نایاب سے
لعل جو ہم نے لُٹائے معدنِ خوں ناب سے

حسرتِ بیتاب نے دِل میں سمیٹے کچھ خیال
کچھ نظر نے چُن لیے میٹھے سُنہرے خواب سے

اُن کے جاتے ہی ہوئی گُل آہ! شمعِ آفتاب
روشنی جاتی رہی پھر دیدۂ مہتاب سے

حلقہ ہائے زُلف کی ہیں کیا طلسمی صُورتیں
دائرہ بن کر اُٹھی ہر موج سطحِ آب سے

چرخ تھرّایا، زمیں کانپی، رُکی نبضِ حیات
دل نے وہ منظر دکھائے پردۂ خُوں ناب سے

تلخیاں اُس شوخ کی ہنس کر گوارا کیجیے
آبِ حیواں کھینچیے ہر قطرۂ زہراب سے

یہ وفا کی راہ ہے، اس میں لُٹا ایک ایک شے
بوجھ بڑھ جائے گا ناداں! فائدہ اسباب سے؟

اَے سُبک سارانِ ساحل! کشمکش ہے زندگی
بحر کی ہستی فقط ہے موجۂ بیتاب سے

راز اُس زلفِ مُعنبر کا صبا نے کہہ دیا
ایک عالم بھر گیا پھر بُوئے مشکِ ناب سے

زندگی کو آشنائے زندگی یُوں کیجیے
چھیڑ لے تارِ رگِ جاں عشق کی مضراب سے

کیا ہُوئے ہوش و خرد! نظریں کہاں گُم ہو گئیں؟
رُوبرُو وہ چاند بھی تھا ہم بھی تھے بیخواب سے

لطمۂ موجِ بلا ہے اُن کو نصرت کا نشاں
بچ نکلتے ہیں شناور حلقۂ گرداب سے

اضطرابِ جاں میں گُم ہے گردشِ ہفت آسماں
رازِ دل کا کیا کُھلے گا لرزشِ سیماب سے

جو سرِ مژگاں چمکتا ہے کسی کی یاد میں
دِل میں ضو بھر لیجیے اُس کرمکِ شب تاب سے

جِس کو پیدا کر کے خالق آپ حیراں ہو گیا
کِس کو نسبت دیجیے اُس گوہرِ نایاب سے

رہ نوردِ شوق کو ذرّے بنے کہسار بھی
بحر بھی آئے نظر سمٹے ہوئے پایاب سے

کاہشِ جاں ہی نے پائی جو پسِ مضموں تھی بات
خط کا مطلب کُھل گیا بے ربطئ القاب سے

جس سے لرزے اہلِ محفل، رِندگہ گزرے جسے
پُوچھیے جا کر ذرا وہ بات شیخ و شاب سے

ذرّے ذرّے کو درخشانی میسّر آگئی
جگمگا اُٹھی فضا اُس مہرِ عالمتاب سے

میرا دل ہے بے نیازِ دولت و ثروت حزیںؔ
دلق ہے مجھ کو فزُوں تر قاقُم و سنجاب سے

رہروِ شوق! رہِ زیست سے، آساں گزرے؟
زیرِ حشر، ابھی گردشِ دوراں! گزرے

اللہ اللہ یہ محبت کی نظر تھی، کیا تھا
ٹوٹ کر چند ستارے سرِ مژگاں گزرے

خوش خرامی نے کسی شوخ کی پابند کیا
ہم تجھے چھوڑ کے اے گردشِ دوراں! گزرے

یہ تقاضا ہے تری دید کا پیہم، اے دوست!
دل پہ ہر بار نیا عالمِ حیراں گزرے

ہم بھٹکتے ہی رہے، زیست کا عنواں نہ ملا!
اُن کی نظروں سے بہت زیست کے عنواں گزرے

۲۴

ہُوں گنہ گار، مری پُشت پہ رکھو کہسار!
مَیں ہی آدم ہُوں، مرے سَر سے بیاباں گزرے

دِل پہ قابُو نہ رہا، آنکھ سے آنسُو چھلکے
ہم زیاں کارِ محبّت تھے، پشیماں گزرے

رہ نوردانِ جنُوں آبلہ پا تھے ہر چند
جادۂ زیست سے طُوفان بداماں گزرے

زندگی کوہ کنی، کاہشِ جاں، سوز، تڑپ؛
زندگی ہی نہیں اے دوست! جو آساں گزرے

ہم سمیٹا کیے دامن میں گہر اشکوں کے
کیا زمانے سے یُونہی بے سروساماں گزرے؟

نہ بنی بات کسی سے ترے شایانِ جمال!
اے شہِ حُسن! بہت یُوں تو سخنداں گزرے

آبھی جاؤ کہ سلیں حبیب وفا کے پُرزے
دِل کے ہر چاک سے پھر سوزنِ مژگاں گُزرے

دِلِ بیمار کی بس یہ ہے دوا چارہ گرو!
سامنے آکے مرے درد کا درماں گُزرے

آئنے بھی تو ہُوئے اُن کی اداؤں پہ نِثار
حُسن والوں کے ہزاروں ہی نگہباں گُزرے

سپرِ آفات و حوادث کی ہے دورِ ساغر
میکدے سے نہ کبھی گردشِ دوراں گُزرے

اِمتحاں شوق کا ہے، اُن کا یہی ہے ارشاد
سرِ بازار ابھی یُوسفِ زنداں گُزرے

تیرہ بختی کا مری کوئی ٹھکانا ہے ندیم!
صُبح، تاریک ملے جب شبِ ہجراں گُزرے

تیری صورت، تری سیرت کا نہ دیکھا کوئی!
خوب تر ایک سے اک دہر میں انساں گزرے

نالۂ بلبل کرے، جانے لگی شہنازِ بہار
غنچہ خاموش تو گل چاک گریباں گزرے

دل کا ہر زخم ہے مشتاق تری نظروں کا
آئے سو بار یہاں، تیر کا پیکاں گزرے

وہ زمیں غیر تھی، اندازِ فلک بھی تھا نیا
اک عجب راہ سے ہم اے دلِ ویراں گزرے

ہم نے طوفان میں صرصر کے جلائی قندیل
یوں نہ لے لے کے چراغ تہِ داماں گزرے

غم کا گھر ہے یہ جہاں، خوئے تمنا سے کہو
بال کھولے ہوئے باحالِ پریشاں گزرے

موت اک کھیل ہے زندہ ہے جہاں کی ہر شے
ذرّے ذرّے سے حزیں تارِ رگِ جاں گزرے

غم کدے میں جو دلِ زار کے پل جائے گی
زندگی حُسن کا انداز بدل جائے گی

سر پہ خُورشیدِ قیامت ہے ، زمیں تپتی ہے
بزمِ امکاں کی یہ صُورت ہے تو جل جائے گی

شفقِ اشک ہیں یہ پیش روِ مہرِ اُمید
شبِ تاریک مرے سامنے ڈھل جائے گی

ہر نفس اُس کا ہے لاریب اجل کا پیغام
پھر بھی یہ زیست بقا بن کے مچل جائے گی

کُچھ تو ہاتھ آئے گا اُس کُوئے ملامت سے مجھے
نام اُچھل جانے کی حسرت تو نکل جائے گی

ماورا سُود و زیاں سے ہے اگر دِل تیرا
سر پہ آئی جو بَلا آپ ہی ٹل جائے گی

قافلہ بادِ بہاری کا یہ دیتا ہے پیام
بُو گُلستاں سے، تو گُل سے بھی نکل جائے گی

جانِ بے تاب کو چین آ کے رہے گا اِک دن
خُو تری اے ستم ایجاد! بدل جائے گی

پھر مرا ذوقِ جنُوں دشت نیا چاہے گا
چال، پھر سعیِ طلب دیکھنا! چل جائے گی

بطنِ اُمّید سے ہو گی مہِ نو کی تخلیق
ذوقِ نظّارہ کی صُورت ہی بدل جائے گی

رنگ اُڑ جائے نہ گلشن کا، سُنو اہلِ چمن!
بدلی ہے بادِ صبا، گُل کو مَسل جائے گی

لالہ ساماں ہے مری آنکھ بہاروں سے کہو
سیرِ گلشن کو سواری مری کل جائے گی

ناخدا! عزمِ مصمّم ہے تو ڈرنا کیسا
ڈگمگاتی ہوئی کشتی بھی سنبھل جائے گی

تذکرہ میرے مسیحا کا ذرا چھیڑ تو دے
دیکھ پھر طبعِ حزیں میری بہل جائے گی

آہِ سوزاں سے بھڑک اُٹھے گا سارا جنگل
تشنہ کامی مری دریا کو نگل جائے گی

کیجیے بات، بھلا آپ پشیماں کیوں ہیں؟
نرم ہے طبع مری، دم میں پگھل جائے گی

ہمنوا! بعدِ خزاں باغ میں آئے گی بہار
"شامِ غم صبحِ مسرّت سے بدل جائے گی"

برق ہے برق، سنو ہمسفرانِ منزل!
زندگی موت کے ہاتھوں سے نکل جائے گی

آئنہ بن کے نظر آئے گی عالم کو حزیں
وہ لطافت مرے افکار میں ڈھل جائے گی

شوق کی راہوں میں جب بے آسرا ہوتے گئے
ہم مزاجِ یار کے راز آشنا ہوتے گئے

کون رشکِ مہر دل کے دشت سے ہوتا گیا؟
ذرّے سب اس سرزمیں کے مہ لقا ہوتے گئے

ہم سفر میں وصل کے، نکلے تھے منزل ڈھونڈنے
فاصلے بڑھتے گئے، اُن سے جُدا ہوتے گئے

دِل کو آدابِ جُنوں کا ہر طریقہ یاد تھا
ہم ترے جور و جفا کا مُنتہا ہوتے گئے

اللہ اللہ! اہلِ بینش کا فروغِ حُسنِ دید
آگے اُس آئینہ رُو کے برملا ہوتے گئے

یُوں ہمیں بخشی قناعت بے نیازی نے تری
دل کی اِک اِک آرزُو سے ماورا ہوتے گئے

اِس چمن میں نکہتِ گُل سے بھی کو نازک تھے ہم!
قہرمانوں کے لیے برقِ بلا ہوتے گئے

آستانِ یار میں گُم تھی جبینِ عجز بھی!
سر بُلند اُفتادگی کی ہم بِنا ہوتے گئے

ہوتے ہوتے جو ہوئے اُس گُل کی زُلفوں کے اسیر
اِس جہانِ رنگ و بُو سے وہ رہا ہوتے گئے

رُوبرُو ان کے لبِ اظہار کو جنبش نہ تھی
کچھ مگر پلکوں کے حرفِ مُدّعا ہوتے گئے

آسماں کے ظُلم، دُنیا کے ستم، تیرے گلے
سب بہ زعمِ عاشقی ہم پر روا ہوتے گئے

زاہدوں کے زُہد کے بدلے ہمارا عجز تھا
خاک چُومی تیرے در کی کیمیا ہوتے گئے

قدر کر اے بے مُروّت! ہم وفا کی راہ میں!
مِٹ گئے لیکن ترے غم کا صلا ہوتے گئے

خُون تھُوکا بُلبُلوں نے، باغباں یہ کیا ہُوا؟
پھُول انگارے بنے، آتش قبا ہوتے گئے

مسلکِ عشق و محبّت میں شکایت کفر ہے
لب پہ آ آ کر مرے شکوے دُعا ہوتے گئے

حُسن والوں نے سکھائی ہم کو طرزِ دلبری
تمکنت میں، ناز میں، اُن کی ادا ہوتے گئے

حیرتیں بڑھتی گئیں، بڑھتی گئیں، بڑھتی گئیں
دل میں وہ آتے گئے، صُورت نُما ہوتے گئے

دشت کی ویرانیوں میں ہم صدائے بے صدا
گُل کدے میں نغمۂ موجِ صبا ہوتے گئے

بے خُودی سے، جذبِ باہم کی، عجب صُورت ہُوئی
ہم کبھی خُود پر کبھی اُن پر فِدا ہوتے گئے

مِٹ گیا دل سے ہمارے اے حزیںؔ خوف و ہراس
دوست کی چشمِ کرم سے آشنا ہوتے گئے

سوزِ دروں سے، جی کا زیاں ڈھونڈتے رہے
دُنیا میں جو وفا کا نشاں ڈھونڈتے رہے

ہاں! تیری ہی صدا تھی، صدائے شکستِ دل
اللہ! کِس کو دِل زدگاں ڈھونڈتے رہے

خورشید رُو تھا، ماہ جبیں تھا، اگرچہ تُو
اس پر بھی تجھ کو دیدہ وراں ڈھونڈتے رہے

اے جلوۂ نگارِ معانی! ترے لیے
ہم حرف حرفِ لطفِ بیاں ڈھونڈتے رہے

جو رہ گزر تھی، منزلِ جاناں کی راہ تھی
ناداں! رہِ وفا میں گُماں ڈھونڈتے رہے

ناکام حسرتوں پہ ہم اُمیّدِ نَو لیے!!
تجھ کو پسِ ہجومِ فغاں ڈھونڈتے رہے

منزل شناس تیری ہی راہوں میں گُم ہُوئے
گُم کردہ راہ بھی تجھے، ہاں ڈھونڈتے رہے

جو ڈھونڈتے رہے گہر و سیم و زر یہاں
وہ نقشِ موجِ ریگِ رواں ڈھونڈتے رہے

شاداں تھا وہ بھی خونِ تمنّا پہ اے ندیم!
ہم بھی دوائے دردِ نہاں ڈھونڈتے رہے

مَے خانۂ حیات میں صہبا کی جستجو؟
کیا چیز ہم بھی پیرِ مغاں ڈھونڈتے رہے

تیرے ستم میں! تیرے تغافل میں اہلِ دل
اِک لُطفِ خاص و کیفِ نہاں ڈھونڈتے رہے

صد حیف، دل پہ کُھل نہ سکا بے رُخی کا راز!!
ہر چند ہم مزاجِ بُتاں ڈھونڈتے رہے

حرفِ لطیف میں بہ اشارت، بہ حُسنِ فن
تجھ کو ھزار سحر بیاں ڈھونڈتے رہے

گُم ہو کے رہ گیا کہیں، پایا نہ کچھ سُراغ
ہم بھی حزیںؔ کا نام و نشاں ڈھونڈتے رہے

اجنبی ہو کر رہا، دُنیا سے بیگانہ رہا
کیا بتائیں کس جہاں میں تیرا دیوانہ رہا

دل کی بربادی سرِ کوئے تمنّا العجب!
نقشِ عبرت تا قیامت میرا افسانہ رہا

ہاتھ پھیلانا کسی کے سامنے؟ یہ کیا کہا!
اپنی خُو رِندانہ ٹھہری، طَور مردانہ رہا

جادۂ ذوقِ طلب میں خاک ہو ہو کر اُڑے
گِردبادِ دشت و صحرا اپنا کاشانہ رہا

رزم گاہِ شوق میں تسلیم کی ہم نے شکست
باوجود اس کے مگر انداز رِندانہ رہا

طاقِ نسیاں ہو گیا ہم کو جہانِ رنگ و بُو
ساتھ اپنے حُسنِ فطرت کا پری خانہ رہا

شرمساری کی حکایت اشکِ مژگاں نے کہی
پیشِ نازِ دوست طُرفہ دل کا نذرانہ رہا

گردشِ ہفت آسماں بھی رُک گئی اسکے حضور
رِند کا جب بھی رہا گردش میں پیمانہ رہا

تُجھ پہ قُرباں جان و دِل ساقی! تری صہبا کی خیر
عافیت کا اِک ٹھکانا تیرا مے خانہ رہا

ایک لمحہ بھی رہا غافل نہ تیری یاد سے
تیرا سودائی فقط صُورت میں دیوانہ رہا

صُورتِ بربادیِ دل دیدنی ہے اے ندیم!
سامنے نظروں کے ہر دم ایک ویرانہ رہا

فصلِ گُل میں ہاتھ اُٹھے پھر گریباں کی طرف
اہلِ دل کی چال بدلی، طَورِ مستانہ رہا

مٹ کے جو باقی رہا کوئے محبت میں حزیںؔ
عشق کے آداب سے یکسر وہ بے گانہ رہا

کاروبارِ عشق میں جو بیش و کم دیکھا کیے
دیکھنے پر بھی وہ کب حُسنِ صنم دیکھا کیے

زندگی کو مظہرِ لُطف و کرم دیکھا کیے
اپنا غم، اُن کا ستم دونوں بہم دیکھا کیے

اِک جہانِ بےخودی جب خُود میں ضم دیکھا کیے
رُوبرُو ہر دم جمالِ دوست ہم دیکھا کیے

سینۂ سوزاں میں لُطف و کیفِ غم دیکھا کیے
یہ تماشا، زندگی بھر، دمبدم دیکھا کیے

حُسن کو دشتِ وفا میں محوِ رَم دیکھا کیے
عشق کی بھی لغزشِ پا خَم بہ خَم دیکھا کیے

زندگی اِک مقتلِ اہلِ محبّت تھی کہ ہم!
ہر نفس کا تارِ شمشیرِ دو دم دیکھا کیے

دلق بہتر تھی کہیں سنجاب و قاقم سے ہمیں
اہلِ ثروت کا نہ ہم جاہ و حشم دیکھا کیے

مُطربِ فطرت کے ہر سحر آفریں نغمے میں ہم
موجِ بحرِ آگہی کا زیر و بم دیکھا کیے

محوِ گردش، دیکھ کر ساقی کی چشمِ کیف بار
بے حقیقت تیرا جوہر جامِ جم دیکھا کیے

اُس بُتِ کافر ادا کے ایک اک غمزے پہ ہم
زاہدوں کی پارسائی کا بھرم دیکھا کیے

مُعترف تھے جُرمِ عصیاں کے گُنہ گارِ ازل
وہ فقط تیری رضا، تیرا کرم دیکھا کیے

زندگی میں یہ قیامت ہم نے دیکھی بارہا
آدمی وابستۂ جبر و ستم دیکھا کیے

منزلِ مقصود کا ملتا گیا ہم کو سراغ
ذرّے ذرّے کو ترا نقشِ قدم دیکھا کیے

دیدہ ور، اُس کج ادا کے ابروئے خمدار میں
آشکارا جلوۂ طاقِ حرم دیکھا کیے

چشمِ پُرنم میں اُتر آئیں جگر کی سُرخیاں
موجِ خوں دریا بہ دریا یم بہ یم دیکھا کیے

موت سے پہلے ہی مر کر زندگی میں خستہ جاں
رازِ ہستی، جلوۂ سیرِ عدم دیکھا کیے

جبر سے تقدیر کا عقدہ کھُلا یوں العجب!
لوحِ دل پر حرفِ قسمت کا رقم دیکھا کیے

۴۵

قصّۂ دردِ محبّت کیا بیاں کرتے حزیںؔ
گنگ نطقِ شوق، ہاتھ اپنے قلم دیکھا کیے

عشق میں کوئی بھی دم ساز نہ ہونے پائے
آشنا دِل سا بھی غمّاز نہ ہونے پائے

کُوچۂ یار میں کہتا ہے کوئی لب سی کر
سرِّ مخفی ہے یہ ہمراز نہ ہونے پائے

جی کی جی ہی میں رہے، پاسِ محبت! اے دل!
قصّۂ درد کا آغاز نہ ہونے پائے

توڑ کر پاؤں نہ بیٹھ اے دلِ ناداں! زنہار
کب ہے ممکن کہ تگ و تاز نہ ہونے پائے

شمعِ تخئیل فروزاں ہے اِسی کے دم سے
منتشر جلوہ گہِ ناز نہ ہونے پائے

خلشِ دردِ محبّت ہے طلب گارِ ستم
فتنہ گر! بابِ کرم باز نہ ہونے پائے

بند آنکھوں سے ہے منظور تری دید مجھے
جلوتِ دہر کا اعجاز نہ ہونے پائے

عزم کرتا ہُوں جہاں کا بھی، یہ آتی ہے صدا
قلب، صیدِ ہوس و آز نہ ہونے پائے

ساز، فطرت کا اس انداز سے چھیڑ اے مطرب!
آرزُو، زمزمہ پرداز نہ ہونے پائے

دِل کے آئینے میں بال آئے تو ترے ناز کی خیر
یُوں کبھی اے بتِ طنّاز نہ ہونے پائے

آشنا لفظ کہاں صُورتِ معنی سے حزیںؔ
مجُھ سے محرم مری آواز نہ ہونے پائے

بے خُودی کا عالم ہے، مست ہیں فضائیں بھی
یہ سماں بنے جنّت، آپ مُسکرائیں بھی

سامنے کا منظر گُم، آنکھ نے تو یہ دیکھا
کان کِس پہ دھرتے ہم، گُنگ تھیں صدائیں بھی

اُن کے در پہ کیوں جائیں، وضعدارِ ہم بھی ہیں
کر بَل چلے آئیں، وہ ہمیں بُلائیں بھی

یاد ہے سبق ہم کو ایک اک محبّت کا
زخمِ دل ابھی کِھل جائے آپ مُسکرائیں بھی

حُسن زارِ فطرت میں نغمگی نمُو پائے
ہم نشیں! مرے اشعار آپ گنگنائیں بھی

رسمِ بزمِ رنداں کا، واہ! کیا تقاضا ہے
بے حجاب وہ آئیں، خُود پئیں، پلائیں بھی

مہر و ماہ و انجُم کی آئنہ حقیقت ہو
سچ کہا جگر کے داغ ہم انہیں دکھائیں بھی

فلفلے سے نظروں کے دو قدم رواں آ گے
حُسن بھی عجب شے ہے، حُسن کی ادائیں بھی

اہلِ دل کو دعوٰے ہے آج بھی محبّت کا
کیجیے جفائیں بھی، دیجیے سزائیں بھی

ذرّہ ذرّہ ہستی کا سو زباں سے گویا ہے
تھک گئی نظر میری، سامنے وہ آئیں بھی

اُن کے اِک اشارے پر سیکڑوں کھلیں کلیاں
اُن کے حُکم پر رقصاں باغ کی ہوائیں بھی

رہروِ محبت کا ہر قدم نئی منزل
فرشِ راہ ہیں اُس کو نیلگوں فضائیں بھی

مُجرمِ محبت ہُوں، یاد ہر نفس مجھ کو!!
یہ گُناہ میرا ہے آپ بھول جائیں بھی

مے کدے کو جاتا ہے کون رندِ عرفانی
وہ ہُوئی دھنک پیدا چھا گئیں گھٹائیں بھی

چشم و دل کی وادی سے مہر و ماہ پیدا ہوں
وہ نظر میں بستے ہیں، رُوح میں سمائیں بھی

اہلِ درد نے ڈھونڈا ان میں راز اُلفت کا
مُعتبر ہُوئیں آخر حُسن کی جفائیں بھی

باغ میں وہ کیا آئے ایک دن گریباں چاک
غُنچوں سے سرک آئیں تنگ سی قبائیں بھی

سُو بہ سُو ہے ویرانی، جا بجا ہے آبادی!
دل عجیب صحرا ہے، اِس میں ہیں صبائیں بھی

دوست کی جفاؤں میں نرمیاں گُلِ تر کی!
بن گئیں کبھی دل کو برچھیاں وفائیں بھی

ظُلم کی فراوانی کس نے اُن پہ ارزاں کی؟
ہم نے دشمنوں کو دیں، دوستو! دُعائیں بھی

زِندگی بدل جائے، آدمی بنے اِنساں!
نفرتیں جو دل میں ہیں ہم انھیں مٹائیں بھی

آپ کے دُکھی دل کا کچھ کریں مُداوا ہم
عشق میں جو بیتی ہے اے حزیںؔ سُنائیں بھی

حشر ساماں ہی سہی، دید کا عنواں ہوگا
تیرا جلوہ تو مرا دیدۂ حیراں ہوگا

کوچۂ شوق میں تکتا ہے جو حسرت سے مجھے
چاکِ دل، ہمدم و ہمرازِ گریباں ہوگا

ہوں وہ مجنوں سرِ بازارِ ملامت اے دوست!
جس کے ہاتھوں میں عیاں حشر کا داماں ہوگا

کون آئینہ دکھائے گا تری شوخی کو؟
کون ہر لحظہ ترے ناز پہ قرباں ہوگا؟

نرگسِ گُل میں نظر آئے گا شبنم کی طرح
گوہرِ اشک کہ زینت دہِ داماں ہوگا

جادۂ دشتِ طلب میں ہُوں وہ حیرت کا نشاں!
تو جسے ڈھونڈ کے انگشت بدنداں ہو گا

آہِ سوزاں سے بھڑک اُٹھے گا سینہ ایسے
دل کا ہر زخم مجھے شعلۂ عُریاں ہو گا

پھر کھلاتا ہے چمن، داغِ تمنّا یعنی
درد و غم کا مرے خُورشید نمایاں ہو گا

لالۂ اشک سے پھر خُلد بنے گا دامن!
پھر وہی یاس، وہی مَیں، وہی ارماں ہو گا

بحرِ ہستی میں وہ گرداب بلاخیز ہوں میں
جس کی ہر موج میں یک حلقۂ دوراں ہو گا

اِک ستم اور تجھے حُسنِ تغافل کی قسم
کُشتۂ جور پہ اِک اور یہ احساں ہو گا

یک نظر سیرِ بیاباں ہے مجھے کاہشِ حسن
جادۂ دشتِ طلب میں دلِ ویراں ہو گا

پھر قدم اُٹھنے لگے کوُئے ملامت کو حزیںؔ
آہ! ہو گی کوئی حسرت، کوئی ارماں ہو گا

سکوں مُحال کہاں ہے؟ کہاں نہیں مِلتا؟
تری تلاش میں او بے نشاں! نہیں مِلتا

چلا ہُوں خانۂ ہستی سے زیرِ تیرِ حشر
مجھے خبر ہے یہاں سائباں نہیں ملتا

یہ کیا طلسم ہے؟ پاؤں تو بے طلب اُس کو
کرُوں تلاش تو اُس کا نشاں نہیں ملتا

مُلول کب ہُوں؟ جو تو مُلتفت نہیں مجھ پر
کہ اِس جہاں میں کوئی مہرباں نہیں ملتا

عجیب طور ہے اب کے بہار کا یعنی
چمن میں نکہتِ گُل کا نشاں نہیں ملتا

مقامِ عجز سے محرم تری جبیں ہی نہیں
یہ کیا کہا؟ کہ "مجھے آستاں نہیں ملتا"

نہ پوچھ آیتِ سوزِ درونِ دل اے دوست!
زبورِ لفظ میں اِس کا بیاں نہیں ملتا

نگاہِ ناز کا پیکاں، ارے معاذ اللہ!
میں ڈھونڈتا ہوں دلِ خونچکاں، نہیں ملتا

اے منزلوں کے تلاشی! رہِ طلب سے اگر
قدم ہٹے تو یہاں کارواں نہیں ملتا

زمیں پہ غیر ہوں، جمتے نہیں قدم میرے
وہ سامنے ہے مگر آسماں نہیں ملتا

کھلا ہے مجھ پہ بہ ایمائے حُسن و ذوقِ نظر!
بس ایک راز کہ رازِ نہاں نہیں ملتا

سراغِ منزلِ مقصود، دشتِ اِمکاں میں
برنگِ موجۂ ریگِ رواں نہیں ملتا

سوادِ منزلِ جاناں بھی گُم ہے کیا کہیے
رہا تھا دل میں جو حُسنِ گماں نہیں ملتا

قطعہ

لبِ خموش سے نالہ کناں ہے لیلیٔ نطق
کہ حرفِ نشترِ شیریں زباں نہیں ملتا

وہ جس کے دم سے تھا پیمانۂ سخن گُل رنگ
کہاں گیا مرا پیرِ مغاں! نہیں ملتا

سخنوری کے صحیفے کا ایک باب ہے گُم!
ادب کا، شعر کا وہ نکتہ داں نہیں ملتا

نگارِ جلوۂ فطرت کا رازداں تنہا
نظر کا، فکر کا وہ ترجماں نہیں ملتا

جواں تھی، شوخ تھی، پیری میں بھی غزل جس کی
اُٹھا رہا تھا جو نازِ بُتاں، نہیں ملتا

اے رہ سپارِ رہِ کُوچۂ عدم! کچھ کہہ
جوابِ نالۂ دل خستگاں نہیں ملتا

اے مخلصینِ ادب! کیا ہُوا امرا اُستاد
یہیں تھا دیکھیے نشترؔ، یہاں نہیں ملتا

حسد بھرا ہے زمانے کی آنکھ میں ورنہ!
حریفِ نشترِ نُدرت بیاں نہیں ملتا

نظر نظر جو رواں تھا میانِ قلب و جگر
فغاں کہ صُورتِ گُم گشتگاں نہیں ملتا

وُہ پارسائی کا پیکر کدھر گیا، ہے ہے
فغاں کہ حِلم کا نام و نشاں نہیں ملتا

تجھے او یُوسفِ معنی! کہاں تلاش کریں
فغاں کہ حالِ دل آزردگاں نہیں ملتا

چمن میں خاک پڑی دامنِ گلِ تر میں
فغاں کہ بُلبلِ شکّر زُباں نہیں ملتا

نہ پوچھیے، مہ و انجم میں اب ضیا ہی نہیں
فغاں کہ دِن کو ہمیں آسماں نہیں ملتا

فغاں نہ کیجیے اِس طرح، پونچھیے آنسُو
حزیںؔ نہ ڈھونڈیئے، نشتر یہاں نہیں ملتا

رکھتے تھے وفاؤں میں جو اندازِ متیں اور
وہ طرزِ تغافل میں نظر آئے حسیں اور

آئینۂ سُخن کا ہوں، مرے آئینے میں دیکھ
نکھرا ہے ترا حُسن بہ ایں نقش و نگیں اور

تھا منزلِ نکہت کو رواں قافلۂ گُل
دیکھا تو خزاں کھینچ کے لے آئی کہیں اور

لایا ہے مجھے شوقِ جبیں سائی وہاں اب
مٹ مٹ کے اُبھرتا ہے جہاں نقشِ جبیں اور

بے وہم و گماں دل میں ہو موجود، بجا ہے
نے ہو کبھی دُور تو محکم ہے یقیں اور

اندازمیں بھی ایک، تو خُوبی میں بھی یکتا
دیکھا ہے زمانے نے کہاں تُم سا حسیں اور

لگتی ہے مجھے غیر سی ہر چیز یہاں کی
یارب یہ جہاں اور ہے، ہیں اِس کے مکیں اور

کُھل جائے ابھی آنکھ پہ جلوے کی نہایت
اے حُسنِ جہاں تاب! ذرا دِل سے قریں اور

جذبات میں افکار تو افکار میں جذبات
ہے طرزِ سخن آپ کی لاریب حزیںؔ اور

دلِ حسن آشنا کو موردِ الزام رہنے دو
یہ رُسوائے محبّت ہے، اِسے بدنام رہنے دو

نہ چھیڑو، سُن لیے ہم نے بہت قصّے بہاروں کے
گلستاں کا ہمیں معلوم ہے انجام رہنے دو

غمِ جاناں کی اِک یہ بھی ادائے خاص ہے یارو!
خوشی کو ہم عنانِ گردشِ ایّام رہنے دو

مری تشنہ لبی پر آخر آخر یہ صدا آئی
جو اک باقی رہا ہے میکدے میں جام رہنے دو

اسیرانِ چمن سے کہہ دیا صیّاد نے اِک دِن
یہ گردوں آشیاں تھے اِن کو وقفِ دام رہنے دو

اُدھر سہتے رہو پیہم جفائیں اُس ستمگر کی
اِدھر دل میں فریبِ آرزوئے خام رہنے دو

فضائیں زندگی کی ہیں اِسی کے نور سے روشن
فروزاں دِل میں شمعِ حسرتِ ناکام رہنے دو

فقیہانِ حرم اچھّی نہیں بے حُرمتی مَے کی
میانِ جشن کدہ ساقی کا اذنِ عام رہنے دو

نظر حیراں، تمنّا خونچکاں، نومیدیِ منزل
تلاشِ دوست میں فطرت کا یہ انعام رہنے دو

چلو تم ہی وفاداری کا پیکر ہو شکایت کیوں؟
مری اُلفت کا ہونا تھا یہی انجام رہنے دو

شکستِ شیشۂ دل پر صدا آئی تو یہ آئی
ابھی جُویانِ غم کو بستۂ آلام رہنے دو

تمھیں، اہلِ وفا! مطلوب ہے گر عافیت دل کی
خُدارا اُس نگاہِ ناز میں ابہام رہنے دو

بھلی تھی یا بُری تھی تُم سے وابستہ رہی ہر دم
ہماری زندگی یُوں ہے اگر ناکام رہنے دو

وہ تنہائی کا دِلدادہ، وہ عُزلت کا تمنّائی
حزیں گُمنام شاعر ہے، اُسے گُمنام رہنے دو

وہ دل جو مُبتلائے غم نہیں ہے
مزاجِ دوست کا محرم نہیں ہے

محبّت میں سکوں ہے، بیقراری
غنیمت ہے، کہ اک یہ کم نہیں ہے

مزاجِ حُسن! تُو بھی مُعتدل ہو
مزاجِ عشق اب برہم نہیں ہے

خزاں آئے چمن کا راز کہنے؟
سِتم یہ فتنہ پرور کم نہیں ہے

تری فُرقت پئے جانِ دلِ زار
گراں ہی تلخ بھی ہے، سَم نہیں ہے

کُھلا ہے آمد و شُد سے نفس کی
دمِ آخر بھی میرا دم نہیں ہے

تری گُم گشتگی سے آملی جب
مری سعیِ طلب پھر کم نہیں ہے

کوئی تھامے اِسے دستِ نظر سے
یہ میرا دل ہے جامِ جم نہیں ہے

سُن اے شکوہ گرِ آلامِ ہستی!
محبّت میں شکایت ضَم نہیں ہے

رہِ دشتِ طلب میں دیکھ ناداں!
کوئی مُونس، کوئی ہمدم نہیں ہے

تُو اپنا دوست، دُشمن آپ اپنا	تُو کیا اس راز کا محرم نہیں ہے؟
نہ رُک اے رہ نوردِ جادۂ عجز	کہ اس رستے میں پیچ و خم نہیں ہے
تصوّرِ حُسن کا لاریب تنہا!!	بہ دل مُدغم مگر مُدغم نہیں ہے
ترے جلووں کی وحدت اللہ اللہ	نظر میں اپنی بیش و کم نہیں ہے
تہی ہے گرمیِ سوزِ جگر سے	وہ نغمہ جس میں زیر و بم نہیں ہے
علاجِ زخمِ دل میرے مسیحا!	توجہ ہے تری مرہم نہیں ہے

حزیںؔ راز آشنائے حُسنِ فطرت
خود اپنے حال کا محرم نہیں ہے

مزاجیات کا اب آرہا ہے جینے میں
غمِ حبیب بسا جا رہا ہے سینے میں

جگر کے خون سے پُر چشمِ تر کا پیمانہ
شفق سی پھول کے روشن ہے آبگینے میں

سُخن کے دام میں آیا نہ حُسنِ نازِ بُتاں
اگرچہ بات کہی قاعدے قرینے میں

نہاں حسد میں ہے خورشیدِ حشر کی گرمی
شرر فشاں ہے جہنّم کی آگ کینے میں

پیالہ زہر کا اُس نے بھی مُسکرا کے دیا!
مُجھے بھی لُطف ملا، مُسکرا کے پینے میں

نظر اُٹھا کہ اُدھر موج بھی ہے طوفاں خیز
بھڑک اُٹھی ہے اِدھر آگ بھی سفینے میں

وصال و ہجر کی لذّت بھی ہے عجب لذّت
سرُور مرنے میں اور لطف مر کے جینے میں

کسے مِلا ہے زمانے میں گوہرِ مقصود
یہ بات سچ ہے، یہاں سانپ ہے دفینے میں

کسی کی یاد سے روشن دلِ حزیں کا چراغ
شعاعِ مہرِ محبّت ہے اِس نگینے میں

ہدیۂ اخلاص

بتقریب سعید کتخدائی محبِ ذی اشفاق جناب احمد معراج خلفِ ارشد میاں احمد بخش مرحوم

۲۱ ستمبر ۱۹۵۳ء

جانِ اُمّید پُرارمان ہے شادی کی لگن!
اللہ اللہ یہ گُل پوشِ سنگھاسن کی پھبن

اُلجھا اُلجھا سا یہی تارِ نظر کہتا ہے
لڑیاں پھولوں کی جو ہٹ جائیں تو پاؤں درشن

تابشِ بسیم اگر موجِ تبسّم ہے تری!
تیرے عارض کی تجلّے ہے ڈلکتا کُندن

شفقی سطح پہ جُھرمٹ ہے کہاں پھولوں کا
بحرِ احمر میں رواں دیپ ہیں روشن روشن

جلوۂ گُل میں نظر کی یہ ہوئی کیفیت
بن گئی زینتِ گُل، ہوگئی غنچے کی پھبن

رُخ سے نوشاہ! ذرا پردۂ گُل سرکا دے
ہمسری کرنے کو سُورج کی وہ آئی ہے کرن

دِل اُڑا لیتی ہے دَم بھر میں تماشائی کا
یہ تری شوخ نظر، یہ تری تیکھی چتون

دیکھنا چرخ ستاروں کے براتی لے کر
بیاہنے نکلا کِس انداز سے ہے شب کی دُلہن

حُسن اور عشق نے پیمانِ وفا باندھ لیا
ذرّے ذرّے کی زُباں پر ہے محبّت کا بچن

ایک شوخی تری معصوم نظر میں ہے چھُپی
اِک تبسّم ہے کھلا مُنّہ پہ ترے غُنچہ دہن

عشق اور حُسن کا اِک پیکرِ سیمیں ہے تو
سیم بر! سیم بدن، سیم قدم، سیم ذقن

کہ رہی ہے ترے چہرے کی ضیا پھولوں سے
آئنہ دیکھنے آئے گا ابھی حسنِ چمن

فیض پاتا ہے ترے روئے دل افروز سے ماہ
مہر جپتا ہے تری زلفِ دوتا کی سمرن

شعر سے بڑھ کے نزاکت ہے طبیعت میں تری
حبذا! حسنِ فصاحت ترے چھوتا ہے چرن

شوق کا تو ہے سراپا، تو وفا کا پیکر
مجھ کو سب یاد ہیں وہ تیری محبت کے بچن

حسنِ سیرت ادب آموز نگاہوں سے عیاں
حسنِ صورت ہے کہ اک جلوۂ دشتِ ایمن

حلم ہے تیری طبیعت میں ودیعت گویا
خاکساری میں تری دھوم مچی تا بہ دکن

تیرے عارض پہ جو ناہید ملے گی غازہ
تیرے ماتھے پہ لگائے گی ثریا چندن

رُخِ تاباں پہ ترے گیسوئے پیچاں کی لٹک
چاندنی میں کبھی جھومے، کبھی ٹھہرے ناگن

شش جہت میں تری ہمت کے بجے ہیں ڈنکے
سربسر تیرا مُروت سے بھرا ہے دامن

کیا ہی پہلو تری توصیف کا نکلا اے دوست!
چار سُو پھیل گئی نکہتِ گیسوئے سخن

تیری شادی سے یہ پیغام ملا عالم کو!
کلفتیں مٹ گئیں، کافور ہوئے رنج و محن

تیرے ہاتھوں سے بہے جُود و سخا کا دریا
ابرِ رحمت کا ترے سر پہ رہے سایہ فگن

کیجیے جھومتے پھولوں کا اگر نظّارہ
بلبلیں نغمہ سرا دیکھیے گلشن گلشن

سو تکلّم سے ہے بڑھ کر ترا اک حسنِ سکوت
صد گہر پاش و دُر افشاں ہے ترا ایک سخن

سچ تو یہ ہے کہ ادا کہتی ہے سہرے کی حزیںؔ
لوٹ لوں گی میں سرِ بزم ترا تن، من، دھن

ہدیۂ تہنیت

بتقریبِ سعید کتخدائی برادرِ عزیز جناب وحید الدین ایم، اے خلفِ ارشد میاں شمس الدین[1] مرحوم و مغفور

اُلفت کا بیاں، شوق کا اظہار ہے سہرا
سَو بات کی اک بات، حیا دار ہے سہرا

کیا دیکھتے ہو؟ آئینۂ رُخسار ہے سہرا
بانکا ہے، سجیلا ہے، طرح دار ہے سہرا

کیا پُوچھتے ہو؟ حُسن کی سرکار ہے سہرا
دل لیتا ہے، دِل دیتا ہے، دلدار ہے سہرا

اِک دعوتِ نظّارہ ہے احباب کو یکسر
اِک سدِّ سکندر پئے اغیار ہے سہرا

خُوش رنگ ہے، خُوش وضع ہے، خُوش آب ہے، خُوش طور
اُودا، کبھی پیلا، کبھی گُلنار ہے سہرا

[1] والدِ بندۂ حقیر حزیں کاشمیری

انگڑائیاں لیتی ہُوئی لڑیاں، ارے توبہ
سرمستِ مئے عیش ہے، سرشار ہے سہرا

ہر آن دکھاتا ہے نیا چاند سرِ بزم
پُر سحر و فُسُوں، پردۂ زرتار ہے سہرا

سُرخی ترے عارض کی ہُوئی پھُول کی ہمرنگ
کیا شمسؔ کی تنویر سے ضَوبار ہے سہرا

یہ حُسن کا، دلداری و شوخی کا ہے پیکر
یہ ناز کا، انداز کا شہکار ہے سہرا

آنکھوں میں سماتا ہے تو بس جاتا ہے جی میں
تُو چُلبلا ہے، طرۂ طرّار ہے سہرا

بُلبُل نہ کرے ناز کہ ہُوں مَیں ہی شکر ریز
مصری کی ڈلی، حرفِ لبِ یار ہے سہرا

معنی کا اِدھر سحر، اُدھر لفظ کا جادُو
اربابِ سُخن! جنّتِ گفتار ہے سہرا

ہٹتا ہی نہیں چاند سے چہرے سے کسی طور
کیا خُوب جفا کیش و وفادار ہے سہرا

سرشارِ طرب طائرِ بُستانِ تمنّا
دیکھو تو ذرا معنئ گُلزار ہے سہرا

لاؤ تو، متاعِ دل و جاں اہلِ تمنّا
جاؤ تو محبّت کا خریدار ہے سہرا

خُود اپنی اداؤں پہ ہُوا آپ تصدّق!
نکہت سے، لطافت سے گرانبار ہے سہرا

دولت کا طلب گار ہو! ایسا تو نہیں وہ
لاریب! محبّت کا طلبگار ہے سہرا

نیکی میں ہے یکتا تو شرافت میں یگانہ
خُوددار ہے، احباب کا غم خوار ہے سہرا

جو لب سے کہے جائیں وہ اقوال ہیں تیرے
جو دل سے کیا جائے وہ اقرار ہے سہرا

تیور نئے، اسلُوب نیا، فِکر نرالی
تقلید کریں جس کی وہ فنکار ہے سہرا

زوجین کا اقبال حسنین ہو گا درخشاں
دُنیائے محبت میں گہربار ہے سہرا

ہدیۂ تہنیت

بتقریب سعید کتخدائی برادرِ عزیز جناب ظہیر الدین خلف ارشد میاں شمس الدین مرحوم و مغفور

حُسنِ تدبیر کا مظہر سہرا
بختِ بیدار کا یاور سہرا

لے چلا چھین کے دل محفل کا
زینتِ بزم، یہ دلبر سہرا

خواجگی، بندہ نوازی، ایثار
حِلم و اخلاص کا پیکر سہرا

نازنینوں کی دِل آرائی کا
ایک انداز ہے یکسر سہرا

پرتوِ حُسنِ ضیائے مہتاب
لمعۂ جلوۂ خاور سہرا

ایک دارا ہے مگر جُرأت کا
عزم کا ایک سکندر سہرا

کارواں حسن کا محمِل محمِل
منزلِ شوق کا رہبر سہرا

مظہرِ شاہدِ فطرت لاریب
گُلشنِ قُدس کا منظر سہرا

گُلِ رُخسارِ حسیناں کی مہک
نکہتِ زُلفِ مُعنبر سہرا

رقصِ جاں پرورِ بادِ سحری
جُنبشِ شاخِ گُلِ تر سہرا

مُصحفِ شوق و تمنّائے وصال — آرزوؤں کا پیمبر سہرا
چہرہ مہتاب سا اُجلا اُجلا — جگمگاتا ہُوا اختر سہرا
بند شیں چُست، تراکیب نئی — نکتہ ور دیکھ لیں آکر سہرا
فکر و تخئیل بہ معنی روشن — نطقِ خوشبو بہرِ سُخنور سہرا
رنگ اُڑ جائے پری زادوں کا — ناز سے دیکھیں جو دم بھر سہرا
رامش و رنگ سرِ باغِ نعیم — مستیٔ موجۂ کوثر سہرا
آئنہ زینت و آرائش کا — ناز و انداز کا محور سہرا
اِک نیا ولولۂ حُسنِ طلب — اِک نیا شوق کا دفتر سہرا
چھب دکھاتا ہے جو ہر آن نئی — کیا ہے پُر سحر و فُسوں گر سہرا
دیکھیے ہو گیا ساحل بہ کنار — بحرِ اُلفت کا شناور سہرا
لعبتِ چیں بہ نزاکت بہ جمال — نقشِ ارژنگ کا ہمسر سہرا
نغمہ پرداز بطِ مے کہیے — یا کھنکتا ہُوا ساغر سہرا

لب پہ آتا ہے سُخن بن کے دُعا — نیک نامی کا ہو یاور سہرا
ڈھال ہو ضربتِ اعداء کے لیے — صُورتِ سدِّ سکندر سہرا
چمکے دُنیا میں برنگِ خُورشید — ماہ سے بھی ہو فزُوں تر سہرا
طرب افشاں رہے آمین آمین! — یہ شگفتہ، ہمہ خُوش تر سہرا

اے حزیںؔ چین سے زوجین رہیں
بنے اِخلاص کا زیور سہرا!

سہرا

تبقریبِ سعید کتخدائی برادرِ عزیز جناب جمیل الدین خلفِ ارشد میاں شمس الدین مرحوم و مغفور

موجِ در موجِ رنگ و بُو سہرا
صد بہاراں بہ آرزو سہرا

ترجماں بن گیا شرافت کا
آج ہے سب میں سرخرو سہرا

نورِ امین ہے چشمِ بینا کو
مطلعِ صبحِ آرزو سہرا

آئنہ بن گیا لطافت کا
رُخِ نوشہ کے رُوبرُو سہرا

نکہتِ گیسوئے نگارِ چمن
عنبر آمیز مُشک بُو سہرا

لبِ مینا کا ایک حرفِ گداز
نقشِ رنگینیٔ سُبُو سہرا

وجہِ توقیرِ انجم و مہ و مہر
لالہ و گُل کی ــــ آبرُو سہرا

اِک تماشا بہ حدِّ ذوقِ نظر
ایک نظّارہ سُو بہ سُو سہرا

یک دبستانِ جذب و کیف و اثر
یک گلستانِ آرزو سہرا

نغمۂ مطرب نسیمِ بہار
سازِ امواجِ آبِ جُو سہرا

نازمیں بڑھ گیا حسینوں سے — ہو گیا اور خُوب رُو سہرا

حُسنِ معنی میں اک کلی مُنہ بند — حُسنِ صُورت میں عکسِ ہُو سہرا

لفظ و معنی کا اِمتزاجِ حسیں — لعلِ شیریں کی گفتگُو سہرا

نسلِ آدم کی ہے بقا اِس سے — رازِ ہستی کی جُستجُو سہرا

دوست داری کا سَر بسر مظہر — ڈھال در بارۂ عدُو سہرا

سبز و شاداب ہو دُعا ہے مری — خُوش رہے جانِ آرزو سہرا

رشتۂ جاں ہوں سہرے کی لڑیاں — چاک دل کا کرے رفُو سہرا

بنے پیغام بر محبّت کا — قریہ در قریہ کُو بکُو سہرا

خاکساری میں ہو بُلند اگر — وضعداری کی آبرُو سہرا

فضلِ حق سے ہو کامگار حزیںؔ
دو دلوں کی یہ آرزُو سہرا

قطعۂ تاریخ وفات والد گرامی میاں شمس الدین کشمیری مرحوم و مغفور

بے ریائی تیرا شیوہ تھا، ترے ساتھ گیا
تا دمِ بازپسیں مٹ نہ سکی خوش طبعی

حلم و اخلاص و مُروّت کی وہ صورت ہے ہے
خواجگی، نرم دلی، بندہ نوازی نہ رہی

خُلق نے، جذبۂ ایثار نے سر پیٹ لیا
اک قناعت تھی، گئی، زیرِ زمیں جا کے چُھپی

گلشنِ دہر سے اس طرح گیا سُوئے جناں
جیسے پرواز کرے پُھول سے نکہت کی پری

غم و اندوہ کی شدّت سے جگر چاک ہُوا
اشکِ خُوں بن کے دعا قلبِ حزیں سے نکلی

تجھ پہ اللہ کی رحمت کا مسلسل ہو نزول
روزِ محشر ترے حامی ہوں رسولِ عربیؐ

فکرِ تاریخ جو کی، ہاتفِ غیبی نے کہا:
"تربتِ شمس پہ ہے نور کی چادر پھیلی"

۱۹۷۵ء

